کتاب

سبیل الرسول پر ایک نظر

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب
سبیل الرسول پر ایک نظر

یہ کتاب کسی عالم کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ایک طبیب نے اصل کتابوں سے ہٹ کر چھوٹے چھوٹے رسالوں سے چند بے ربط اور غیر متعلق حوالوں کو اکٹھا کیا ہے نہ یہ کوئی علمی تصنیف ہے اور نہ تحقیقی۔ البتہ مؤلف رسالہ کی کج فہمی اور بد فہمی کا شاہکار ہے۔

کتاب کا نام ''سبیل الرسول'' رکھا ہے یہ نام **کلمة حق ارید بها الباطل** کا مصداق ہے مؤلف کا عقیدہ ہے کہ اہل السنت والجماعت کے مذاہب اربعہ، طریق رسولؐ پر نہیں بلکہ رسولؐ سے بغاوت، اور طریق یہود و مشرکین ہیں۔ چنانچہ ص ۵۰ پر نقشہ بنا کر چار راہوں کو شیطان کی راہیں قرار دیا ہے۔ کتاب کا مقصد آئمہ اربعہ خصوصاً سیدنا الامام الاعظمؒ کی تقلید شخصی کو قرآن وحدیث سے شرک اور حرام ثابت کرنا ہے۔ مگر اس میں مؤلف بری طرح ناکام رہا ہے۔

قرآن پاک

مؤلف نے پوری ۳۸۱ صفحات کی کتاب لکھ ماری مگر ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کر سکا کہ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ مجتہد کی تقلید شخصی شرک اور حرام ہے لیکن سیدنا الامام الاعظمؒ کی تقلید شخصی کے شرک وحرام ہونے پر قرآنی آیات سے استدلال کی ناکام سعی کی ہے۔

پہلا استدلال: ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ......﴾

(پ۱۰، ع۱۰، سبیل الرسول ص ۲۰۵، ص ۲۶۵)

ترجمہ: ٹھہرایا انہوں نے (یہود ونصاریٰ نے) اپنے عالموں اور درویشوں کو رب اللہ کے سوا۔

جوابات

۱۔ اس آیت میں علماء و مشائخ کو رب بنانے کا رد ہے نہ کہ ان کی تقلید کرنے کا۔ اور رب بنانا جس طرح علماء اور مشائخ کو ناجائز ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو بھی رب بنانا جائز نہیں اسی لئے اس آیت میں والمسیح بن مریم بھی ساتھ ہی ہے لیکن مؤلف نے دو جگہ یہ آیت لکھی کسی جگہ یہ الفاظ نہیں لکھے قرآن پاک کی آیت نقل کرنے میں یہ خیانت کرنا سبیل رسول نہیں سبیل یہود ہے۔

اگر رب بنانے سے کسی کی بات ماننا مراد ہے تو یہ آیت منکرین حدیث کی دلیل بنے گی کہ جس طرح علماء و مشائخ کی بات ماننا ناجائز ہے اسی طرح نبی کی بات و حدیث ماننا بھی ناجائز ہے۔

۲۔ مؤلف کا فرض تھا کہ وہ یہ بھی ثابت کرتا کہ یہود و نصاریٰ کے وہ علماء و مشائخ مجتہد تھے اس پر قیامت تک وہ کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کرسکتا بلکہ قرآن نے ان کو سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اور اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ بتایا ہے اور بتایا ہے کہ ﴿یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ......﴾ کیا مؤلف کے نزدیک مجتہد کی شرائط یہی ہیں کہ وہ حرام خور ہو۔ پرلے درجہ کا جھوٹا ہو۔ خدا کے ذمہ بہتان باندھنے والا ہو۔ اس آیت کو آئمہ مجتہدین پر چسپاں کرنا ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ...﴾ پر عمل اور تقلید یہود ہے۔

۳۔ دراصل مؤلف نے مجتہدین کو دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی مجتہدین کی بات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے ہاں اس بے چارے نے اپنے فرقہ کے علماء و مشائخ کو ایسا ہی پایا کہ جھوٹ بولنے، حرام کھانے اور خدا اور رسول پر افتراء میں بڑے دلیر ہیں اس لئے مجتہدین کو اپنے مولویوں پر قیاس کرلیا۔

حکیم صاحب شہر سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں اس شہر میں لامذہبیت پھیلانے والے حکیم صاحب کے استاد مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی تھے۔ مؤلف

نے ان کے حالات کا گہرا مطالعہ فرمایا اور پھر اپنے استاد محترم سے یوں خطاب فرمایا ''اے حضرت اگر میں آپ کی روحانی داستانوں کی ہزاروں میل لمبی فلم شہر کے لوگوں کو دکھادوں تو سارا شہر لیلائے امارت کے عشق میں دیوانہ ہو جائے اور حضرت علیؓ کی گدی کے جانشین کی زیارت کرنے پنجاب دوڑ آئے جس شخص کی زندگی کا پس منظر اتنا تاریک اور بھیانک ہو اسے چاہیئے کہ منہ چھپا کر گوشۂ مسجد میں خاموشی کی زندگی گزارتا اور رو رو کر تلافئ مافات کرتا لیکن حضور اسی سال کی عمر میں نئی جوانی چڑھے ہیں۔

(مدعی امارت سے شرعی استفتاص ۲۷)

مکرم ناظرین آپ اب حکیم صاحب کی مجبوری سمجھ گئے ہوں گے۔ انہوں نے دین ایسے لوگوں سے سیکھا جن کی ہزاروں میل لمبی روحانی فلم آپ تیار کرتے رہتے اور ظاہر ہے کہ خود شریک ہوئے بغیر فلم کیسے تیار ہو سکتی تھی۔ حکیم صاحب حافظ عبداللہ روپڑی کے بھی خوشہ چین ہیں ان کے بارہ میں مولانا محمد صاحب جونا گڑھی لکھتے ہیں ''روپڑی نے معارف قرآنی بیان کرتے ہوئے رنڈیوں اور بھڑووں کا ارمان پورا کیا اور تماش بینوں کے تمام ہتھکنڈے ادا کئے (اخبار محمدی دہلی ص ۱۳، ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء) اور مولوی محمد عثمان صاحب اپنے مکتوب میں بذریعہ اخبار عبداللہ روپڑی سے دریافت کرتے ہیں کہ ''طالب علمی میں آپ علة المشائخ (علت مفعولیت) میں مبتلا تھے اب وہ عادت چھوٹ گئی ہے یا اب بھی باقی ہے قاعدہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ میں صوفیت رہے گی یہ لٹکا (چسکہ) بھی نہ جائے گا لہٰذا مہربانی کر کے خدا سے ڈر کر اس کا صحیح جواب دیں اور اب بھی توبہ کر لیں (اخبار محمدی دہلی ص ۱۵ کالم نمبر ۳، ۱۵ جولائی ۱۹۳۹ء) اصل بات یہ ہے کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ حکیم صاحب کو اپنے فرقے کے علماء و مشائخ میں وہ چیزیں نظر آئیں کہ یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کے ریکارڈ کو بھی توڑ دیا اور حکیم صاحب نے اپنی کج فہمی سے آئمہ مجتہدین کو پہلے یہود اور پھر اپنے علماء پر قیاس کر لیا۔ گویا سچ کو جھوٹ پر حلال کو حرام پر ایمان کو

کفر پر دودھ کو پیشاب پر اور فرشتوں کو شیطان پر قیاس کر لیا۔

۴۔ حکیم صاحب تقلید شخصی مجتہد کو شرک و حرام ثابت کرنے اٹھے تھے۔ اور تقلید شخصی کا مطلب خود حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کو چھوڑ کر کسی امتی سے اپنی نسبت قائم کر لینا اور فرقے بنا لینا۔ تو حکیم صاحب کا فرض تھا کہ وہ قرآن و حدیث سے ان مجتہدین کے نام پھر ان مجتہدین کی طرف منسوب فرقوں کے نام اور پھر ان نسبتوں کا شرک اور حرام ہونا ثابت کرتے مگر وہ تو پہلے قدم میں فیل ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرز بالکل لامذہبوں والا تھا ان کے عوام مجتہدین کی طرف رجوع کرنے کی بجائے بازاری ملاؤں اور حکیموں کی طرف رجوع کرتے وہ خود گمراہ ہوتے اور عوام کو گمراہ کرتے۔

۵۔ مجتہد کے بارہ میں بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ اگر صواب پر ہو تو دو اجر، خطاء ہو تو بھی ایک اجر ملتا ہے کیا آپ کا یہی عقیدہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے وہ علماء جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔ وہ بعض مسائل میں دو اجر اور بعض مسائل میں ایک اجر کے مستحق تھے۔

(۶) حدیث ترمذی

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۶۵ پر ترمذی کی حدیث کا ترجمہ لکھا ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارہ میں آگے جو فیصلہ لکھا ہے اسے نقل نہیں کیا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم عبدالسلام بن حرب کے علاوہ کسی طریق سے اس حدیث کو پہچانتے تک نہیں اور اس سند کا دوسرا راوی غطیف بن اعین حدیث میں غیر معروف ہے (ترمذی ص ۴۴۱) اس سند کا پہلا راوی حسین بن یزید کوفی ہے ابو حاتم اس کو لین الحدیث کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۵) اور لامذہبوں نے تو صراحۃً لکھا ہے کہ اہل کوفہ کی حدیث بے نور ہوتی ہے (حقیقۃ الفقہ) سند کا دوسرا راوی غطیف بن اعین ہے امام دار قطنی اسے ضعیف کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۳، ص ۳۳۶) یہ حضرت عدی بن حاتم والی حدیث ہے۔ جس کی سند کا

حال حکیم صاحب نے چھپایا جب کہ کتمان سبیلِ یہود ہے۔ سبیلِ رسول نہیں۔

۷۔ پھر اس حدیث سے لامذہب مراد ہیں مجتہدین مراد نہیں۔ اگر حکیم صاحب اور ان کا پورا فرقہ مل کر اصول فقہ سے صرف ایک حوالہ دکھا دیں۔ جس میں مجتہد کی تعریف یہ لکھی ہو کہ ''مجتہد اسے کہتے ہیں جو خدا کے حلال کو حرام کرے اور خدا کے حرام کو حلال کہے'' تو ہم انہیں ایک ہزار روپیہ نقد رائج الوقت انعام دیں گے۔

اہل السنّت والجماعت کے نزدیک مجتہد قانون ساز نہیں قانون دان ہوتا ہے۔ اس کا اعلان یہ ہوتا ہے **القیاس مظهر لامثبت** یعنی قیاس شرعی خدا اور رسول کے حکم کو ظاہر کرتا ہے۔ خود مسائل بناتا نہیں۔ تو مجتہد خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتاتا ہے۔ خدا کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال بنانا لامذہب کا کام ہے نہ کہ مجتہد کا۔ اب لامذہب والی بات کو آئمہ اربعہ پر چسپاں کرنا ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه...﴾ پر عمل اور یہود کی تقلید ہے۔

حکیم صاحب کا فرض ہے کہ حدیث میں مذکور علماء و مشائخ کا مجتہد ہونا قرآن وحدیث سے ثابت کریں اور ہم سے ایک ہزار روپیہ انعام لیں۔

اور قرآن وحدیث سے ثابت کریں کہ ان مجتہدین کے مکمل مذاہب مدون اور متواتر تھے اور لوگ ان کی تقلید شخصی کر کے اپنی تقلیدی نسبت ان کی طرف کیا کرتے تھے۔

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

(۸) حکیم صاحب یہود کے نقش قدم پر

یہود کے علماء جن کا ذکر ان آیات میں ہے ان کا خصوصی وصف جھوٹ کہنا اور جھوٹ سننا تھا۔ حکیم صاحب بھی اس وصف میں کچھ ان سے کم نہیں آپ نے بخاری شریف پر جھوٹ بولے ہیں۔

پہلا جھوٹ

آپ ایک حدیث لکھتے ہیں اَفْضَلُ الاَعْمَالِ الصَّلٰوۃُ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا (بخاری) (سبیل الرسول ص ۲۴۶) یہ بخاری شریف پر ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا مرزا قادیانی نے اپنی کتاب شہادۃ القرآن میں یہ جھوٹ لکھا ہے کہ بخاری میں حدیث ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی ھذا خلیفۃ اللہ المھدی

دوسرا جھوٹ

حکیم صاحب نے طلاق ثلاثہ کے متعلق سبیل الرسول ص ۲۶۸ پر حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے اور حوالہ صحیح بخاری کا دیا ہے حالانکہ اس حدیث کا نام ونشان تک صحیح بخاری میں نہیں ہے۔

تیسرا جھوٹ

اسی حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ''یکبارگی'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھایا جو حدیث میں مذکور نہیں۔

چوتھا جھوٹ

سبیل الرسول ص ۶۹ پر امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کے لئے جو واقعہ فجر کی نماز والا ذکر کیا ہے اس میں حوالہ ابن ماجہ اور موطا امام مالکؒ کا بھی دیا ہے جو بالکل جھوٹ ہے ان دونوں کتابوں میں اس واقعہ کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔

دوسرا استدلال

(۹) حکیم صاحب نے آئمہ مجتہدین خصوصاً مجتہد خیر القرون سیدنا الامام الاعظم ابو حنیفہؒ کی تقلید شخصی کو شرک اور حرام ثابت کرنے کے لئے دو اور آیتوں سے بھی استدلال کیا ہے۔

(۱) ﴿وَاِذَاقِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَااَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآئَنَا......﴾ (پ۲، ع۸) (سبیل الرسول ص ۳۵۶)

(۲) ﴿وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤاَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَامَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَآئَنَا......﴾ (پ ۷، ع ۴ (سبیل الرسول ص ۳۵۷)

جواب:۔ ان آیات سے آئمہ مجتہدین کی تقلید شخصی کو شرک اور حرام ثابت کرنے کے لئے دو باتیں ضروری تھیں۔

(الف) مشرکین کے ان آباؤ اجداد کا مجتہد ہونا قرآن پاک سے ثابت کر دیا جائے۔

(ب) ان کے مذاہب کا مرتب و متواتر ہونا اور مشرکین کا تقلید شخصی کی وجہ سے ان کی طرف نسبتیں کرنا قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا جائے اور یہ دونوں باتیں حکیم صاحب اور ان کا فرقہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا۔ ایک واجب کو حرام اور مجتہد کی تقلید شخصی کو شرک اور حرام ثابت کرنا اتنا مشکل ہے کہ خدا تعالیٰ کی آیات نقل کرنے میں بھی خیانت کرنا پڑتی ہے۔

پوری آیات

پہلی آیت ﴿وَاِذَاقِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤاَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآئَنَا اَوَلَوْ كَانَ آبَآءُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئاً وَّلَايَهْتَدُوْنَ﴾

دوسری آیت ﴿ وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤاَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْاحَسْبُنَامَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَآئَنَااَوَلَوْكَانَ آبَآءُ هُمْ لَايَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ یہ خط کشیدہ جملے حکیم صاحب نے نہیں لکھے۔

اب بات واضح ہے کہ ان آیات کا تعلق آئمہ مجتہدین کی تقلید سے دور کا بھی نہیں ہے۔

(الف) جن مسائل کا مشرکین مکہ انکار کر رہے تھے وہ سب مسائل اعتقادی تھے ایک بھی مسئلہ اجتہادی نہ تھا۔

(ب) ان کے آباء واجداد خدا اور رسولؐ سے ہٹانے والے تھے اور مجتہدین خدا و رسول کے طریقہ پر چلانے والے ہیں۔

(ج) وہ آباء پرلے درجہ کے بے عقل تھے جبکہ آئمہ مجتہدین عقل میں نابغہ روزگار تھے۔

(د) وہ علم سے بالکل کورے تھے جبکہ آئمہ مجتہدین علوم شرعیہ میں بحر ناپید کنار کی حیثیت رکھتے تھے۔

(ہ) وہ ہدایت سے خالی خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے تھے جبکہ آئمہ مجتہدین خود ہدایت یافتہ اور دنیا بھر کے لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے والے تھے، آہ لیکن حکیم صاحب ان کو مجتہد بنانے پر تلے بیٹھے ہیں اور اس کے لئے قرآنی آیات میں خیانت کرنے سے بھی نہیں شرماتے۔ قرآن نے مشرک، جاہل، بے عقل اور گمراہ آباء کی تقلید سے روکا تھا۔ حکیم صاحب نے ان کے اوصاف ذکر ہی نہیں کیئے یہ ایسا ہی فریب ہے۔ جیسے ایک شخص کہے کہ جھوٹے خدا کو نہ مانو حکیم صاحب اصل مقصدی الفاظ اڑا کر کہیں وہ کہتا ہے خدا کو نہ مانو ایک آدمی کہے کہ جھوٹے نبی کی بات مت سنو حکیم صاحب جھوٹے کا لفظ کاٹ کر کہیں وہ کہتا ہے نبی کی بات مت سنو۔ دیکھو کس طرح ایمانی جملوں کو کفر بنایا جا رہا ہے۔ یہی دھوکا حکیم صاحب نے خدا تعالیٰ اور قرآن کے ساتھ کیا ہے اور نہ ہی حکیم صاحب قرآن و حدیث سے یہ ثابت کر سکے کہ مشرکین تقلید شخصی کے لئے کس نسبت سے ان کی طرف منسوب تھے۔

حکیم صاحب نے ان آیات کو رد تقلید میں پیش کر کے یہ تو تسلیم کر لیا کہ اتباع اور تقلید دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ اب حکیم صاحب نے تقلید مذموم کا تو رد کر لیا مگر تقلید محمود کا حکم جو قرآن میں موجود تھا اس کے ماننے سے مشرکین کی طرح انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ......﴾ اور تقلید کر (اے مخاطب) اس شخص کے مذہب کی جو میری طرف رجوع رکھتا ہے'' مجتہد قیاس شرعی کے موافق بذریعہ علت خدا اور رسول کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر سبیل یعنی مذہب کو مرتب کرتا ہے دوسرے لوگ جو خود قیاس شرعی سے خدا اور رسول کی طرف رجوع نہیں کر سکتے وہ اس منیب (مجتہد) کی طرف رجوع کر لیں جس کا مسلک مشہور

اور متواتر ہو لیجئے مجتہد کی تقلید کا وجوب تو خود قرآن پاک سے ثابت ہو گیا۔

(۱۱) حکیم صاحب ایک ایسے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا زبانی دعویٰ کتاب وسنت پر عمل کرنے کا ہے مگر عملی طور پر وہ خدا اور رسول کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ ایک مجلس میں ہم نے قرأۃ خلف الامام پر قرآن وحدیث سے استدلال پیش کیا مگر ایک لامذہب غیر مقلد بھی ایسا نہ نکلا جو قرآن کو مانتا یا احادیث کو تسلیم کرتا بلکہ ہم قرآن وحدیث پڑھتے تھے تو وہ لوگ اتنا شور مچاتے تھے کہ مشرکین مکہ کا ریکارڈ بھی توڑ دیتے تھے اب بھی آپ ہر جگہ اس کی آزمائش کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف کی کتاب زجاجۃ المصابیح لیں اور اس سے ترک قرأۃ خلف الامام۔ ترک رفع یدین وغیرہ کی حدیثیں سنانا شروع کر دیں اور ایک ایک حدیث سنا کر پوچھتے جائیں کہ کیا آپ اس حدیث کو مانتے ہیں وہ خوب شور مچائے گا اور آخر میں یا تو یہ کہہ کر چلا جائے گا کہ یہ حدیثیں جھوٹی ہیں یا یہ کہہ کر چلا جائے گا کہ میں اپنے مولوی سے پوچھوں گا گویا قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے پہلے اپنے مولوی کی اجازت یعنی تقلید شرط ہے۔ تو ایسے غیر مقلدوں پر اگر یہ آیات پڑھتے تو ہم بھی آپ کی تائید کرتے اور کہتے کہ حق بحق دار رسید۔ حکیم صاحب بیچارے کنوئیں کے مینڈک ہیں جو زبوں حالی اپنے فرقہ کی مشاہدہ کرتے ہیں اسی پر مجتہدین اور مقلدین کو قیاس کرنے لگتے ہیں۔

ص ۳۰۸ پر ایک حدیث نقل کی ہے:

حَدَّثَنَا ابْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا اَبُوْسَهْلٍ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّد بن عَبْدالله بن زِيَادِنِ الْقَطَّانِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْجَهْمِ السَّمَرِیْ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدِنِ الْمُقْرِیُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بن الْمُتَوَكِّلُ الْبَاهِلِیُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ذَكْوَانِ الْاَزْدِیْ حَدَّثَنَا اَبُوْهَارُوْنَ الْعَبْدِیْ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا رَاَیْ الشَّبَابَ قَالَ مَرْحَباً بِوَصِيَّةِ

رَسُوْلُ اللّٰہِ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نُوَسِّعَ لَکُمْ فِیْ الْمَجْلِسِ وَ اَنْ نُفْهِمَکُمُ الْحَدِیْثَ فَاِنَّکُمْ خُلُوْفُنَا وَاَهْلُ الْحَدِیْثِ بَعْدُنَا . (شرف اصحاب الحدیث)

یہ حدیث صادق سیالکوٹی نے سبیل الرسول ص ۲۰۸ پر خطیب کے حوالہ سے درج کی ہے لیکن اس سند کے پہلے دو راویوں ابن الفضل۔ ابو سہل احمد بن عبداللہ کا تو اسماء الرجال میں پتہ ہی نہیں چلتا اس لئے ان کا عادل ضابط ثابت کرنا صادق صاحب کا فرض تھا جو وہ نہیں کر سکے۔ تیسرے راوی محمد بن الجہم کا حال بھی معلوم نہیں چوتھے راوی ہیثم بن خالد المقری کا حال بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اس نام کے سات راوی تقریب التہذیب ص ۳۶۷ پر درج ہیں ان میں المقری کوئی بھی نہیں اس سند میں استاد نویں طبقہ کا ہے تو شاگرد دسویں طبقہ کا ہوگا جس کو متروک لکھا ہے۔ اس کی تعدیل بھی ثابت کرنا ضروری ہے۔ پانچواں راوی یحییٰ بن المتوکل للباهلی ہے "ابن المدینی اور امام نسائی نے اس کو ضعیف کہا ہے ابن معین نے لیس بشیء کہا ہے امام احمد بالکل نکما فرماتے ہیں ابو زرعہ لین الحدیث کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۰۴) چھٹا راوی محمد بن ذکوان ہے جو ضعیف ہے (تقریب ص ۲۹۷) امام بخاری اس کو منکر الحدیث فرماتے ہیں امام نسائی فرماتے ہیں وہ ثقہ نہیں منکر الحدیث ہے دارقطنی ضعیف کہتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۴۲) ساتواں راوی ابوھارون العبدی ہے اس کا نام عمارۃ بن جُوَین ہے حماد بن زید اس کو جھٹلاتے تھے۔ امام شعبہ فرماتے اگر مجھے قتل کر دیا جائے تو منظور ہے لیکن ابوھارون العبدی سے حدیث لینا منظور نہیں امام احمد فرماتے ہیں لیس بشئی ابن معین فرماتے ہیں ضعیف ہے امام نسائی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے امام دار قطنی فرماتے ہیں۔ متلون خارجی شیعی ابن حبان کہتے ہیں وہ حضرت ابوسعید سے ایسی حدیثیں روایت کرتا تھا جو ان سے ثابت ہی نہیں امام جوزجانی فرماتے ہیں کذاب مفتر۔ ابو علی

کہتے ہیں ابوہارون اکذب من فرعون. فرعون سے بھی بڑا جھوٹا تھا (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۷۴) ان سب کے مقابلے میں ابن عون اس سے حدیث روایت کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ محدثین اس کی اس حدیث کا اعتبار کرتے ہیں جو اس سے سفیان روایت کرے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۷۳)

سفیان کی روایت

حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ وَکِیعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاؤدَ الْحَفَرِیُ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ اَبِیْ هَارُوْنَ قَالَ کُنَّانَأتِیْ اَبَاسَعِیْدٍ فَیَقُوْلُ مَرْحَبًا بِوَصِیَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالاً یَأتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الاَرْضِ یَتَفَقَّهُوْنَ فِیْ الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْ صُوْابِهِمْ خَیْراً قَالَ عَلِی بن عَبْدِاللهِ قَالَ یَحْییٰ بن سَعِیْدٍ کَانَ شُعْبَةٌ یُضَعِّفُ اَبَاهَارُوْنَ الْعَبْدِیُ قَالَ یَحْیٰی وَمَازَالَ ابن عَوْنٍ یَرْوِیُ عن ابی هارون الْعَبْدِیُ حَتّٰی مَاتَ وَاَبُوْ هَارُوْنَ اِسْمُهُ عَمَارَةُ بْنُ جَوِیْنٍ. (ترمذی ص ۳۷۹ ابواب العلم باب ماجآفی الاستیصاء بمن یطلب العلم)

حمادبن سلمه کی روایت

حَمَّاد بن سلمه عن ابی هَارُوْنَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ مَرْفُوْعًا اَلنَّاسُ لَکُمْ تَبَع یَأتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الاَرْضِ یَسْأَلُوْنَکُمْ عَنِ الْعِلْمِ فَاسْتَوْصُوْابِهِمْ مَعْرُوْفاً (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۷۴)

اب دیکھیے ان میں سفیان کی روایت میں فقہ کا ذکر ہے حماد بن سلمہ کی روایت میں علم کا لفظ ہے اور محمد بن ذکوان کی روایت میں فہم حدیث کا اھل الحدیث بعدنا کے الفاظ نہ سفیان کی حدیث میں ہیں نہ حماد بن سلمہ کی حدیث میں۔

اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو اس کا مطلب صاف ہے کہ دور صحابہ میں کسی ان پڑھ کو ہرگز اہل حدیث نہیں کہا جاتا تھا بلکہ ان کو کہا جاتا تھا جو الفاظ حدیث کے حافظ ہوتے عالم ہوتے اور احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط کر سکتے فقہ کے منکر اور جاہل کو کبھی خیر القرون میں اہل حدیث نہیں کہا گیا۔ معلوم ہوا یہ ایک علمی طبقہ کا نام ہے کسی فرقہ مذہبی کا نام نہیں یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْآنِ وَ فِیْ الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَر، وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وابن عباس . وعن علیؓ (ترمذی ص ۹۱) باب ماجاء اَنَّ الْوِتْرَ لَیْسَ بِحَتْمٍ) دیکھئے اس میں لفظ اہل قرآن سے مراد فرقہ منکرین حدیث ہرگز نہیں بلکہ حفاظ قرآن کا علمی طبقہ مراد ہے۔ یہ حدیث اگر صحیح ہے تو فقہاء احناف اہل حدیث ہیں کیونکہ وہ الفاظ حدیث سے بڑھ کر فہم حدیث اور فقہ میں سب سے ممتاز ہیں اور غیر مقلدین ہرگز اہل حدیث نہیں کیونکہ نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ایک مسئلہ بھی احادیث سے استنباط نہیں کر سکتے۔ (الحطہ)

میٹھا میٹھا ہپ ہپ
کڑوا کڑوا تھو تھو

امام سفیان بن عیینہ

حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں ''سفیان بن عیینہ کوفہ کے رہنے والے ہیں پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں وفات پائی آپ بڑے پایہ کے حدیث کے امام ہیں (سبیل الرسول ص ۳۱۰ حاشیہ) یہ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حدیث لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ اکیلے نمازی کے لئے ہے ھٰذَا لِمَنْ یُصَلِّیَ وَحْدَهٗ مگر غیر مقلدین اس کو بالکل نہیں مانتے لیکن یہاں صادق صاحب نے سفیان بن عیینہ کا قول لکھ مارا'' مجھے امام ابو حنیفہؒ نے اہل حدیث بنایا'' اب اصل عبارت دیکھیں ''قال سویدبن سعید عن سفیان بن عیینه قال اول من اقعدنی للحدیث ابو حنیفه قدمت الکوفة فقال ابوحنیفةؒ ان هذا اعلم الناس بحدیث عمرو بن دینار فاجتمعوا علی فحدثتهم'' (الجواہر المضیہ ج ۱، ص ۳) اور فرماتے ہیں اول من صیرنی محدثا ابو حنیفةؒ (تاریخ ابن خلکان) اب دیکھئے صادق صاحب میں اگر ذرا دیانت ہے تو ذرا محدثین سے محدث کی شرائط نقل فرمائیں اور پھر اپنے فرقے کے ہر مرد و عورت جاہل عالم میں محدث کی شرائط دکھا دیں۔ خود صادق صاحب میں بھی محدث کی شرائط موجود نہیں ہیں۔ اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر حکیم صاحب حضرت سفیان بن عیینہ کا یہ قول بھی نقل فرما دیتے کہ قاری حمزہ کی قرأت اور امام ابو حنیفہؒ کی فقہ آفاق یعنی زمین کے کونوں تک پہنچ چکی ہے (مناقب ذہبی ص ۲۰) جس سے ثابت ہوا کہ پوری دنیا دوسری صدی ہجری میں ہی امام ابو حنیفہؒ کی تقلید پر جمع تھی۔ اور ساری دنیا میں دین کوفہ سے ہی گیا قرآن بھی کوفہ سے اور فقہ بھی کوفہ سے'' آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اِنَّ

اللہَ زَوَی لِیَ الاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِی یَبْلُغُ مُلْکُهَا مَازُوِیَ لِی (ترمذی ص ۱۳۱ ابواب الفتن باب سوال النبیؐ ثلاثا فی امتہ) آنحضرتؐ کی اس پیش گوئی کے موافق ساری دنیا میں آپ کا دین پھیلا، ملکوں میں حکومتیں قائم ہوئیں چنانچہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں "وجمهور الملوک وعامة البلدان متمذهبين بمذهب ابی حنیفة" (تفہیمات الٰہیہ ج ۱، ص ۲۱۲) یعنی امام سفیان بن عیینہ کے دور دوسری صدی سے لے کر شاہ ولی اللہؒ کے دور بارھویں صدی تک تمام دنیا اور تمام ممالک میں عوام اور بادشاہ سب حنفی تھے یہ پیش گوئی جس طرح آنحضرتؐ کا معجزہ ہے اسی طرح احناف کے سچے ہونے کی بھی بڑی زبردست دلیل ہے۔

علامہ شامی تاتارخانیہ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں

حکی ان رجلاً من اصحاب ابی حنیفة خطب الی رجل من اصحاب الحدیث انبته فی عهد ابی بکر الجوزجانی فابی الاان یترک مذهبه فیقرأ خلف الامام و یرفع یدیا عندالانحطاط و نحوذ اللشا فاجابه فذوجه فقال الشیخ بعد ماسئل عن هذه واطرق رأسه النکاح جائز ولکن اخاف علیه اَن یذهب ایمانه وقت النزع لانه استخف بمذهبه الذی هوحق عنده وترکه لاجل جیفةٍ منتنة ولوان رجلا برئ من مذهبه باجتهاد وضح له کان محموداً ماجوراً اما انتقال غیر من غیر دلیل بل لما یرغب من عرض الدنیا وشهوتها فهو المذموم الآثم المستوجب للتادیب و التعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذهبه (ردالمحتار باب التعزیر مطلب فیما ارتحل الیٰ غیر مذهبه ج ۳، ص ۱۹۰)

صادق سیالکوٹی نے سبیل الرسول ص ۳۱۲ پر اس واقعہ سے اپنا فرقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اصحاب الحدیث سے مراد محدث ہے اس میں اگر غیر مقلد کا لفظ دکھادیں تو ہم منہ مانگا انعام دیں گے پھر یہ واقعہ پورا بھی نقل نہیں کیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہوتی۔

ابن خلدون: صادق صاحب نے سبیل الرسول ص ۳۱۲ پر ابن خلدون کا بھی حوالہ دیا ہے یہیں سے فقہ کی دو شاخیں نکل آئیں ایک قسم کے فقیہ اہل الرائے والقیاس ٹھہرے جن میں اہل عراق کا شمار تھا دوسری نوع اہل حدیث کہلائے جو کہ اہل حجاز تھے (ص ۴۶۷) ادھر حجاز میں حضرت امام مالکؒ کا نام نامی اوران کے بعد امام شافعیؒ کا اسم گرامی سب سے پہلے سامنے آتا ہے انہیں بزرگوں کے مذاہب دنیا میں رائج ہوئے اس کے بعد منکرین قیاس کا طائفہ پیدا ہوا۔ جنہوں نے قیاس پر عمل کرنے کو سراسر لغو بتایا......... امت میں تو یہی تین مذہب حنفی مالکی شافعی زور پکڑ گئے (ص ۴۶۸) پھر منکرین قیاس یعنی ظاہریہ کے بارہ میں لکھتے ہیں ''اہل ظاہر کا تو یہ حشر ہوا کہ ان کے آئمہ کے ختم ہوتے ہی ان کا مذہب صفحۂ ہستی سے ایسا مٹا کہ اب تک اس میں کوئی جان نہیں پڑی محض کتابوں میں لکھا پڑا ہے جو کیڑے کی غذا بن رہا ہے اور اب آج اگر کوئی طالب علم ان کی کتابوں سے ان کی فقہ اوران کا مذہب سیکھنے بیٹھتا ہے تو وہ حقیقت میں وقت کو رائیگاں کھوتا ہے اور جمہور امت کو مخالف کے لئے چیلنج دیتا ہے اور امت کی طرف سے بدعتی کا نام بد حاصل کرتا ہے..... آئمہ اسلام نے اس کے مذہب کو بُری نظر سے دیکھا۔

اوراس کے مذہب کو لغو ثابت کر کے توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ اس کی کتابوں کو کوئی ہاتھ تک نہ لگاتا اوران کو چھوتا نہیں بازار میں بکنے آتیں تو کوئی خریداری پر راضی نہ ہوتا اور کبھی ہاتھ پڑ جاتیں تو پھاڑ دی جاتیں۔ (ص ۴۶۸)

امام احمد بن حنبلؒ کے بعد تمام شہروں میں تقلید کا دائرہ انہیں چار مذاہب میں

محصور ومحدود رہا اور دوسرے مذاہب کے مقلد مٹ مٹا گئے اور یہیں سے اختلاف طرق ومذاہب کا باب بند ہو گیا اور اجتہاد کی راہ بھی مسدود ہو گئی کیونکہ اگر اجتہاد کا دروازہ پھر بھی کھلا رہتا تو سخت خطرہ تھا کہ نااہل بھی اجتہاد کا دعویٰ کر بیٹھیں اور مجتہد ہونے کا دم بھریں اس لئے لوگوں نے انہیں مجتہدین میں سے کسی کی تقلید کو جائز رکھا بلکہ یہاں تک روا نہ رکھا کہ ایک کی تقلید اختیار کر کے پھر کسی دوسرے امام مجتہد کی تقلید کی جائے اور یوں دین کو ایک کھیل بنایا جائے۔ اب فقہ کا ماحصل یہی ہے کہ بیان کرنے کو تو سب آئمہ کے مذاہب بیان کئے جائیں لیکن ہر مقلد اقتداء صرف ایک ہی امام کی کرے۔ اور تصحیح اصول اور اتصال سند روایت کا پورا پورا لحاظ رکھے اور اب اجتہاد کی راہ ایسی بند ہوئی کہ اگر آج کوئی اجتہاد کا دعویٰ لے کر اٹھے تو اس کا دعویٰ اس کے منہ پر مار دیا جائے اور کوئی اس کی تقلید کی طرف رخ نہ کرے یہی وجہ ہے کہ سارے ممالک اسلامیہ میں اب انہیں مذاہب اربعہ کا چلن ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلدین بہت کم تعداد میں ہیں کیونکہ ان کا مذہب اجتہاد سے دور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین آج عراق، ہند، چین، ماوراء النہر اور عرب وعجم میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں ان کی کثرت کی وجہ دراصل یہ ہوئی کہ اول تو اس مذہب حنفی نے دارالاسلام عراق میں جنم لیا جس کو قدرۃً مقبولیت عامہ نصیب ہونی چاہیے پھر ان کے شاگردوں نے خلفائے عباسیہ کی صحبت میں رہ کر تالیفات کے تودے لگا دیئے اور شافعیوں کے ساتھ ان کے زبردست مناظرے رہے اور اختلافی مسائل میں اچھی اچھی بحثیں ان کے قلم سے نکلیں اور وہ علم میں منجھ گئے اور عمیق النظر بن گئے اور جو کچھ ان کی فضیلت اور برتری تھی وہ منظر عام پر آ گئی (ص ۴۶۹) چار مذاہب ممالک اسلامیہ میں رائج ہو گئے اور ہر مذہب ایک مستقل حیثیت پکڑ گیا اور اجتہاد کا دروازہ بھی مسدود تھا۔ (ص ۴۷۰)

دیکھئے علامہ ابن خلدون نے صرف چار مذاہب کا بار بار ذکر کیا ہے۔ وہ

منکرین قیاس کو اہل حدیث ہرگز نہیں سمجھتے بلکہ ان کو اہل السنّت والجماعت کا مخالف اور بدعتی سمجھتے ہیں۔

طائفہ منصورہ

عام غیر مقلدین کی طرح صادق سیالکوٹی نے بھی طائفہ منصورہ والی حدیث کو اپنی جماعت پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ (سبیل الرسول ص ۳۱۱ دیکھو) یہ حدیث صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر آئی ہے۔ (ج ا ص ۱۶ ج ا ص ۴۳۹، ج ا ص ۵۱۴، ج ۲ ص ۱۰۸۷، ج ۲ ص ۱۱۱۱، امام بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۷) پر ان الفاظ میں باب باندھتے ہیں۔ قَوْلُ النَّبِیِّ ﷺ لاتَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ (فی نسخۃ یقاتلون) وَھُمْ اَھْلُ الْعِلْمِ۔ اور حدیث معاویہؓ کے الفاظ یہ ہیں مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَلَنْ یَّزَالُ اَمْرُھٰذِہِ الاُمَّۃِ مُسْتَقِیْمًا حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ اَوْحَتّٰی یَأْتِیَ اَمْرُاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وَفِیْ ذٰلِکَ بَیَانٌ ظَاھِرٌ لِفَضْلِ الْعُلَمَاءِ عَلٰی سَائِرِ النَّاسِ وَلِفَضْلِ التَّفَقُّہِ فِی الدِّیْنِ عَلٰی سَائِرِ الْعُلُوْمِ (فتح الباری ج ا ص ۱۳۴ فی باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین) اور صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۳-۱۴۴، باب قول النبی ﷺ لاتَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لایَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ میں یہ الفاظ ہیں مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَلاتَزَالُ عِصَابَۃٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاھِرِیْنَ عَلٰی مَنْ نَاوَاھُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (مسلم ج ۲ ص ۱۴۴) اس میں رسول اقدس ﷺ نے تین باتیں صراحۃً بیان فرمائی ہیں (۱) وہ جماعت ہمیشہ رہے گی۔ احناف سب سے پہلے کے ہیں غیر مقلدین دور برطانیہ کی پیداوار ہیں۔ (۲) وہ فقہ میں سب سے برتر ہوگی یہ بھی احناف کو حاصل ہے غیر مقلدین تو فقہ کے منکر ہیں (۳) وہ جماعت جہاد کرے گی۔ جہاد کے لئے پہلے حکومت کا ہونا ضروری ہے تمام ممالک میں سلطنت

بھی احناف کے پاس رہی اور جہاد بھی انہوں نے کئے غیر مقلدوں کو نہ کبھی حکومت نصیب ہوئی نہ جہاد کرنا قسمت میں ہوا۔ بلکہ جہاد کے خلاف رسالے لکھ کر جاگیریں حاصل کیں۔ صادق سیالکوٹی صاحب نبی ﷺ کی تشریحات کو نہیں مانتا اور امتیوں کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے کہتے ہیں (۱) امام احمد نے فرمایا وہ اصحاب الحدیث ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں انما اراد احمد بن حنبل اهل السنة والجماعة (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۳) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی اپنے امام کی تقلید میں اصحاب الحدیث لکھتے ہیں اور وضاحت اہل السنّت والجماعت سے کرتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین) علی بن المدینی اصحاب الحدیث کہتے ہیں مگر ان کے شاگرد امام بخاریؒ ہم اہل العلم کہہ کر سمجھا رہے ہیں کہ مراد طبقہ علمی ہے نہ کہ فرقہ مذہبی۔ آپ کے مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی لکھتے ہیں ''بعض جگہ تو ان کا ذکر اہل حدیث سے ہوا ہے بعض جگہ اصحاب حدیث سے بعض جگہ اہل اثر کے نام سے اور بعض جگہ محدثین کے نام سے مرجع ہر لقب کا یہی ہے (تاریخ اہلحدیث ص ۱۲۸) معلوم ہوا کتب قوم میں اہل قرآن۔ اہل حدیث، اہل فقہ، اہل صرف، اہل نحو، کسی فرقہ مذہبی کا نام نہیں بلکہ طبقات علمیہ کے نام ہیں۔ صادق صاحب اگر بضد ہیں تو ان سے گزارش ہے کہ وہ ہر صدی میں اپنی فقہ کی کتاب کا پتہ دیں ہر صدی میں ہر ملک میں اپنے بادشاہوں کا نام بتائیں اور ہر صدی میں جہادوں کی فہرست پیش کریں جو غیر مقلدین نے کئے ہوں۔ ورنہ ہم احناف اپنی فقہ کی کتابوں کا نشان پانچویں صدی سے بارھویں صدی تک تو آپ کی کتاب سبیل الرسول ص ۲۲۱ سے دکھادیں گے۔

لطیفہ: طائفہ منصورہ اہل علم ہیں (بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۷) آپ کا علم یہ ہے کہ طحطاوی جو درمختار کی شرح ہے ان کی تاریخ یہ لکھی ہے کہ طحطاوی تو آٹھویں صدی میں لکھی گئی اور درمختار گیارھویں صدی میں لکھی گئی یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن کی تفسیر پہلی صدی میں لکھی گئی مگر قرآن پانچویں صدی میں اترا، یا کوئی کہے بخاری کی شرح فتح

الباری دوسری صدی میں لکھی گئی اور بخاری تیسری صدی میں لکھی گئی۔ کیا کہیں۔

معشوق ماخورد سال ست نازنہ داند ہنوز ؎
دست چپ از دست بازنہ داند ہنوز

علامت اہل بدعت

اہل بدعت محدثین کی بدگوئی کرتے ہیں (سبیل الرسول ص ۳۱۳) ذرا چورتلاش کرنے ہوں تو کسی غیر مقلد کے سامنے مسند امام اعظم کتاب الآثار امام محمد، کتاب الآثار ابو یوسف، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، طحاوی، عقود الجواہر المنیفہ، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی، مرقات شرح مشکوٰۃ، فیض الباری شرح بخاری، زجاجۃ المصابیح، آثار السنن، معارف السنن بذل المجہود، محدثین کی کتابیں رکھ کر دیکھ لو کہ ان کتابوں اور ان کے مؤلفین کو کیا کیا صلوٰتیں سناتا ہے۔ ذرا یہ بتادو کہ محدثین نے محدثین کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ طبقات مالکیہ، طبقات حنابلہ ہیں اس طرح سب محدثین مقلد ہیں، تو پھر دیکھو مقلدین کو کس طرح مشرک اور کافر اور بدعتی کہتے ہیں۔

ص ۳۱۴ پر ابن ابی داؤد کا خواب ذکر کیا ہے اولاً تو امام ابوداؤد نے خود فرمایا میرا بیٹا کذاب ہے۔ ابن صاعد، ابن عدی اور ابراہیم ابو ہریرہ الاصبہانی نے بھی اسے کذاب کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۲، ص ۴۳۳) اور خود حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے انا اول صاحب حدیث فی الدنیا (تاریخ بغداد) لیکن صادق صاحب نے اول کا لفظ نقل نہیں کیا ورنہ ۸ ھ میں جب ابو ہریرہؓ اسلام لائے اس سے پہلے سب صحابی اہل حدیث نہیں رہیں گے۔ اگر یہ خواب صحیح بھی ہو تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کب فرمایا ہے میرے فرقہ کا نام صاحب الحدیث ہے۔ کوئی کہے کہ میں صرفی ہوں نحوی ہوں، عروضی ہوں تو کیا آپ یہ ان کے مذہبی فرقوں کا نام سمجھیں گے۔ افسوس ہے ایسی سمجھ پر اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں بھی محدث تھا طبقہ علمی میں اور بس۔

اہل السنت والجماعت حنفی

سوال: آپ حنفی کہلا کر خوش ہوتے ہیں یا اہلحدیث؟ ص ۳۱۵

جواب: ہم اہل السنت الجماعت حنفی کہلا کر خوش ہوتے ہیں کیونکہ ہماری نسبت نبی پاکؐ سے بھی ملتی ہے صحابہ سے بھی اور امام صاحبؒ سے بھی صحیح عبارت یہ ہے صحابہ ،تابعین اور تبع تابعین خود کو حنفی نہیں کہتے تھے۔ (ص ۳۱۶ سبیل الرسول)

صحابہ: حنفی شافعی نہیں کہلاتے تھے (ص ۳۱۶) صحابہ قرآن پڑھتے تھے وہ اگرچہ قرأت حمزہ، قرأت حفص کا نام بھی نہ جانتے تھے مگر آج صحابہؓ کے طرز پر قرآن پڑھنا چاہو تو ان ہی قرءاء کی قرأت میں پڑھنا ہوگا۔ اسی طرح صحابہؓ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مشکوٰۃ، بلوغ المرام کا نام تک نہیں جانتے تھے مگر احادیث پر عمل کرتے تھے نہ رواہ البخاری کہتے نہ رواہ مسلم، لیکن آج احادیث کے لئے ان حضرات کی طرف نسبت ضروری ہے اسی طرح صحابہ آئمہ اربعہ کا نام نہیں جانتے تھے مگر عمل فقہ پر ہی کرتے تھے۔ آئمہ اربعہ نے ان کے ہی فقہی مسائل کو مرتب فرمایا ہے۔ جن مسائل میں صحابہؓ کا اتفاق تھا وہ سب نے جمع فرما لئے جن میں صحابہؓ کا اختلاف تھا ان میں سے ایک ایک پہلو کو لے لیا۔ آج ان کی فقہ کے بغیر صحابہؓ کی اتباع کا کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔

ص ۳۱۹ ۔ نمودروئے تو گلہائے باغ راچہ کنم
چوں آفتاب برآمد چراغ راچہ کنم

منکر حدیث مسلمان نہیں: ص ۳۱۶ اسی طرح مطلق فقہ کا منکر بھی نص قطعی اور احادیث متواترہ کا منکر ہے اس لئے کافر ہے۔

کیا ایسی کتابوں میں عشقیہ اشعار لکھنا جو عورتوں نے بھی پڑھنی ہیں دل کی گندگی کی دلیل اور مرزا قادیانی کا طریق نہیں؟ پھر اجتہاد کا تو تعلق ہی ان مسائل سے ہے جو صحیح صریح غیر معارض حدیث میں نہ ہوں جب آفتاب نہ ہو تو پھر اندھیرے میں

بیٹھنا چمگادڑ صفت لوگوں کا ہی کام ہے۔

ص۳۲۰: اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِی: حَدَّثَنَا اَبُو حَصِیْنِ الْوِذَاعِیُ حَدَّثَنَا اَبُوطَاھِرِ اَحْمَدُ بْنُ عِیْسیٰ الْعَلَوِیُ حَدَّثَنَا ابن اَبِیْ فَدَیْکٍ حدثنا ھِشَامُ بن سُعِد عَنْ زَیْدِ بن اَسْلَمَ عن عَطَا عن ابْنِ عَبَّاس عن عليٍؓ قال قال رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ قُلْنَا مَنْ خُلَفَاءُ کَ قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَیُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ قُلْتُ ھٰذَا بَاطِل (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۲۷ فی ترجمة احمدبن عیسیٰ والرمھذی فی المحدث الفاصل موضوع واحمد بن عیسیٰ وضاع (نصب الرایہ ج۱ص۳۴۸ فی بحث الجہر بالبسملہ)

پھر اس سے مراد محدثین ہیں جو طبقہ علمی ہے نہ کہ کوئی فرقہ مذہبی یہاں تو روایت حدیث اور تعلیم حدیث کا بیان ہے کیا آپ کے فرقہ کا ہر شخص محدث ہے۔

کتب فقہ کی فہرست (ص۲۲۱) دجل کی انتہاء جیسے کوئی معارف القرآن کی تاریخ کو نزول قرآن کا سال بتائے۔ ذرا لامذہبوں کی کتابوں کی لسٹ بھی اسی طرح صدی وار تحریر فرمائیں۔ امام محمدؒ، امام ابو یوسف کی کتابوں کا سنہ تحریر کیوں نہیں فرمایا۔

(تقریب)

الیوم ص۱۴۰: عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ ﷺ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلیٰ ثَلاثٍ وَّ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّھُنَّ فِی النَّارِ الاوَاحِدَةٌ قَالُوْا وَمَا تِلْکَ الْفِرْقَة قال مااَنَا عَلَیْهِ اَلْیَوْمَ وَاَصْحَابِیْ رواہ الطبرانی فی الصغیر وفیه عبدالله بن سفیان قَالَ الْعُقَیْلِی لایُتَابَعُ عَلٰی حَدِیْثِهٖ ھٰذَا وَقَدْ ذَکَرَہُ ابن حَبَّانَ فِی الثِّقَاتِ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۳۰) یعنی یہ راوی مجہول بھی ہے اور اس کا متابع بھی کوئی نہیں اور صادق نے ص۱۴۰ پر الملل والنحل کے حوالہ سے نقل کی ہے جو وہاں بالکل بے سند ہے۔

سبیل ص ۳۶۹ حدیث ابی ھریرۃؓ تعمل ھٰذِہِ الاُمَّۃ رواہ ابویعلیٰ وفیہ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الذُّھْرِی متفق علی ضعفہٖ (مجمع الذوائدج اص ۱۷۹) اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۴ پر ہے جس میں محمد بن اللیث (میزان ج ۴ ص ۲۳ جبارۃ بن المفلس میزان ج ا ص ۲۸۷ حماد بن یحییٰ الابح، جامع ج ۲ ص ۱۳۵) حضرت ابوہریرۃؓ کے بہت سے فتوے ہیں جو بلا ذکر دلیل موجود ہیں۔ مثلاً کتے کے برتن کا تین بار دھونا وغیرہ۔

سبیل ص ۳۶۹ حضرت عمرؓ کا اہل الرائے کو اعداء السنن فرمانا جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۴، ۱۳۵ پر اسکی سندوں پر کلام ہے اور مراد اہل بدعت ہیں ورنہ قیاس شرعی کے وہ خود قائل ج ۲ ص ۵۶، ج ۲ ص ۵۷، ج ۲ ص ۵۹ اور کئی فتاویٰ آپ کے بلا ذکر دلیل ہیں۔ اعداء کے لفظ سے بھی اہل بدعت کا مطلب ہی نکلتا ہے کیونکہ بدعت ہی سنت کو مٹاتی ہے۔ قیاس شرعی تو سنت کو سمجھاتا ہے نہ کہ مٹاتا ہے۔

اصحاب الرائی قوم یفتون سے مراد غیر مقلدین ہیں کہ پوری قوم کا ہر آدمی اپنی اپنی رائے پر چلے گا یہ نہ ہوگا کہ سارے ایک کی تقلید کرلیں کیونکہ ایک روایت میں ہے وَلٰکِنْ فُقَھَاءُ کُمْ یَذْھَبُوْنَ ثُمَّ لاتَجِدُوْنَ مِنْہُ خَلْفاً وَیجِیْءُ قَوْمٌ یفْتُوْنَ الاُمُوْرَ بِرَأیِھِمْ (جامع ج ۲ ص ۱۳۵) وفی روایۃ قُرَّاءُ کُمْ وَعُلَمَاءُ کُمْ یَذْھَبُوْنَ وَ یَتَّخِذُالنَّاسُ رُؤُسًا جُھَّالاً یَفْتُوْنَ الاُمُوْرَ بِرَائِیھِمْ. (ج ۲ ص ۱۳۶)

یہ ابن مسعود کا فرمان ہے یعنی وہ لوگ فقہاء کے باغی اور جاہل ہوں گے یہی غیر مقلدین ہیں۔

سبیل ص ۳۷۰ پر یفتون الامور برائیھم (مجمع الزوائد ج ا ص ۱۷۹) کے حوالہ سے درج ہے مگر آخری الفاظ فَیُحِلُّوْنَ الْحَرَامَ وَیُحَرِّمُوْنَ الْحَلالَ چھوڑ دیئے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ مجتہدین اس سے مراد نہیں کیونکہ وہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتاتے ہیں ولاعکس اس لئے عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں (خُذْمِنَ

الرَّأيِ مَايُفَسِّرُلَکَ الْحَدِيْث (جامع ج ۲ ص ۱۳۷)

علامہ شعبیؒ وعن الشعبی ذم القیاس و معناه عندنا قیاس علی غیر اصل لئلا یتنا قض ماجاء عنه جامع (ج ۲ ص ۶۲) ان فتاویٰ کو اس تقلید کے خلاف پیش کرنا یحرفون الکلم عن مواضعہ پر عمل ہے۔ سبیل ص ۱۷۱ ۲ پر حدیث حسد یہود والی لکھی ہے قول امامھم سے امام جماعت غرباء مراد ہو۔

حکیم صاحب نے ص ۲۲۷ پر ایک عنوان قائم کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے اختلاف

اس کے بعد صفحہ ۲۲۹ سے لیکر صفحہ ۲۶۴ تک اکیس مسائل نقل کئے ہیں۔ ہم یہاں پر ترتیب وار اعتراض نقل کر کے ان کے جواب عرض کرتے ہیں۔

(۱) کتے کا ناپاک برتن

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۲۹ پر حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے یہ پہلا مسئلہ لکھا ہے۔

رسول اللہ کا حکم

عن ابی ہریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اِذا شَرِبَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدُکُمْ فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ (بخاری مسلم)

حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب کتا تمہارے برتن میں سے پی جائے تو اسے سات مرتبہ دھوؤ۔

فقہ کا اختلاف

یغسل الاناء من ولوغه ثلثا (ھدایہ کتاب الطھارت)

جب برتن سے کتا پی جائے اسے تین بار دھوؤ۔

بخاری شریف مسلم شریف کی متفق علیہ حدیث کے خلاف بے دلیل قول

بھائیو غور کرو۔

جواب: آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

(۱) کتے کے جھوٹے برتن کو سات دفعہ دھوڈالو آٹھویں دفعہ مٹی سے مانجھو۔ (مسلم عن عبداللہ بن المغفل)

(۲) کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھوؤ۔ (بخاری عن ابی ھریرہؓ)

(۳) کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ (کامل ابن عدی عن ابی ہریرہؓ ہذا صحیح اوحسن۔ (معارف السنن ج ا ص ۳۲۵)

یہ آنحضرت ﷺ کے تین حکم ہیں آٹھ مرتبہ دھونا۔ سات مرتبہ دھونا۔ تین مرتبہ دھونا۔

حضرت ابوہریرہؓ کا فتوی

کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونا (دارقطنی، طحاوی، بسند صحیح آثار السنن ج ا ص ۱۲) محدث طحاویؒ فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کا تین بار دھونے کا فتویٰ دینا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابوہریرہؓ سے حسن ظن رکھتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپؐ کے خلاف دیں۔ اس سے تو آپؓ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں۔ (طحاوی ج ا ص ۲۳)

مکہ مکرمہ: کے مفتی حضرت عطاءؒ سے جب کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ سب سنا ہے سات مرتبہ، پانچ مرتبہ اور تین مرتبہ۔ (عبدالرزاق ج ا، ص ۹۷)

مدینہ منورہ: معمر جو سات اور آٹھ دفعہ دھونے کی حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں میں نے امام زھریؒ سے کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا تین

مرتبہ دھویا جائے۔ (عبدالرزاق ج ۱ ص ۹۷)

کوفہ: سیدنا الامام الاعظمؒ بھی یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ برتن تین مرتبہ دھویا جائے۔

آنحضرت ﷺ سے یہ تین حکم مروی ہیں جو بظاہر متعارض ہیں اور خود آنحضرت ﷺ سے ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ مروی نہیں کہ کونسا پہلے کا ہے اور کونسا بعد کا۔ اور جو فیصلہ صراحۃً کتاب وسنت میں موجود نہ ہو اس میں بنص حدیث معاذؓ مجتہد اجتہاد سے جو فیصلہ دے وہ لازم العمل ہوگا۔

ایک واضح حدیث: احادیث پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں کتوں کے بارہ میں احکام بہت سخت تھے ان کو مار ڈالنے کا حکم تھا بعد میں ان سے شکار کھیلنے کی اجازت مل گئی اور احکام نرم کر دیئے گئے اس لئے خیر القرون میں تمام مراکز اسلام مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ میں فتویٰ تین پر ہی رہا۔

حکیم صاحب نے احناف کثر اللہ سوادھم پر اعتراض کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے بھی دھوکا کیا کہ آپؐ کے تین حکموں میں سے ایک حکم بتایا اور دو کو چھپایا جو سبیل رسول نہیں سبیل یہود ہے۔

دوسرا فریب یہ کہ صحابی رسولؐ اور تابعین کے صحیح فتووں کو چھپایا۔ انہوں نے تین والی حدیث پر فتویٰ دیا تھا۔ اس نے خیر القرون والوں کے خلاف محض ضد اور نفسانیت سے اس فتویٰ کی مخالفت کی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت

اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔ اور کتے کا منہ پانی کو لگا تھا نہ کہ برتن کو تو جب برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو گیا یہ دلیل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور حدیث شریف میں تین مرتبہ کا عدد امام شافعیؒ پر حجت ہے جو سات مرتبہ کو شرط قرار دیتے ہیں کتے کا پیشاب جہاں لگ جائے تو

(بالاتفاق) تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اور جس حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ اسلام کے ابتدائی دور سے متعلق ہے (اب منسوخ ہے) (ہدایہ ج ا ص ۴۵) دیکھو صاحب ہدایہ نے مسئلہ کا ثبوت حدیث پاک سے دیا تھا۔ اور قیاس والی دلیل بھی نقل کی تھی اور سات والی روایت کا جواب بھی دیا تھا مگر حکیم صاحب نے ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں انتہائی خیانت کی ہے حکیم صاحب نے فقہ کے ایک مسئلہ کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے تین زبردست بے ایمانیاں کیں۔

(۱) احادیث رسول سے بے ایمانی

(۲) خیر القرون سے بے ایمانی

(۳) ہدایہ سے بے ایمانی

نوٹ: لامذہب اپنی بددیانتیوں کو چھپانے کے لئے جلدی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ سات والی حدیث صحیح ہے اور تین والی ضعیف ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ سات والی حدیث کو صحیح اور تین والی کو ضعیف اللہ کے نبی نے کہا ہے یا کسی امتی نے، اگر نبی پاکؐ نے فرمایا ہے تو حدیث پیش کرو، اگر کسی امتی نے کہا ہے تو امتی کی تقلید آپ کے مذہب میں شرک ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ امتی خیر القرون کا مجتہد ہے یا مابعد خیر القرون کا غیر مجتہد، تو ہم خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی غیر مجتہد کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ خیر القرون والوں کی خیریت حدیث صحیح سے ثابت ہے اور بعد والوں کی خیریت حدیث سے ثابت نہیں اور مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت ہے کسی غیر مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت نہیں۔

حکیم صاحب نے احناف پر اعتراض کرنے کے لئے تو دیانت و امانت سب کو خیر باد کہہ دیا مگر صحیح بخاری ص ۲۹ ج ا پر کتے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے ذرا اس طرف بھی توجہ فرماتے اور آپ کے علامہ وحید الزمان لکھتے

ہیں کتے کا پیشاب پاک ہے (ہدیۃ المہدی ج ۳ ص ۷۸) اور نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں کتے کے گوشت، خون، بال اور پسینہ کے نجس ہونے پر دلیل نہیں ہے (بدور الاہلہ ص ۱۶) حکیم صاحب آپ نے ان کی تردید میں کیا لکھا ہے جو کوئی امتی کے نام سے نہیں بلکہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے نام سے ایسے گندے مسائل پھیلا کر نبی معصوم ﷺ کو بدنام کر رہے ہیں۔

حکیم صاحب! آپ کے ابن حزم نے یہ لکھا ہے کہ بیوی کو حق مہر میں کتا دینا جائز ہے۔ حکیم صاحب! ذرا اس کی تفصیل بیان فرمائیں کہ آپ کے مذہب میں کنواری کے لئے کس نسل کا کتا اور ثیبہ کے لئے کس نسل کا کتا مطلوب ہے

(۲) بیت اللہ کی چھت پر نماز

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۳۰ پر حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے یہ مسئلہ لکھا ہے۔

پیغمبر رحمت کی ممانعت

عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ نَهٰی اَنْ یُّصَلّٰی فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ فِیْ الْمَذْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْقَبْرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِیْقِ وَفِیْ الْحَمَّامِ وَمَعَاطِنِ الاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِبَیْتِ اللهِ......

قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عمر اسناده لَیْسَ بِذٰلِکَ الْقَوِیُّ وَقَدْ تَکَلَّمَ فِیْ زَیْدُ بْنُ جُبَیْرَةَ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ.

(ترمذی ص ۷۷ باب ماجاء فی کراهیة مایصلی الیه وفیه وابن ماجه ص ۵۴ باب المواضع التی تکره فیها الصلوٰة)

فقہ کا اختلاف

ومن صلی علی ظهر الکعبة جازت صلوتہٗ خلافا للشافعی

لان الکعبة هی العرصة والهواء الی عنان السماء عندنا دون
البناء لانه ینقل الا تریٰ انهٗ لو صلی علی جبل ابی قبیس
جاز ولا بناء بین یدیه الاانه یکره لما فیه من ترک التعظم وقد
ورد النهی عنه عن النبی ﷺ (ہدایہ ج۱ ص۱۸۵)

حکیم صاحب نے پہلے تو حدیث نہایت نامکمل نقل کی اور خط کشیدہ جملے چھوڑ دیئے پھر اس پر امام ترمذیؒ نے جو جرح کی وہ بھی نقل نہ کی اور جو باب ترمذی اور ابن ماجہ نے کراہت کے لفظ سے باندھا اس کو بھی نقل نہ کیا۔ اور پھر ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی تمام خط کشیدہ عبارت چھوڑ دی۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حدیث سے بیت اللہ شریف کی چھت پر نماز پڑھانے کو مکروہ ثابت کیا لیکن حکیم صاحب نے المعترض کا لاعمیٰ کا پورا کردار ادا کیا۔

حکیم صاحب نے ایک قاعدہ از خود گھڑا کہ آنحضرت ﷺ جس سے منع فرما دیں اس میں جواز بالکراہۃ کیسے ہوسکتا ہے، تو حکیم صاحب کا فرض ہے کہ اپنے اس قاعدہ کو پہلے حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت کریں۔ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں نُهِیْنَا عَنْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ یَعْزِمْ عَلَیْنَا (بخاری ج۱ ص۱۷۰) اور فرماتی ہیں کُنَّا نُنْهٰی عَنْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ یَعْزِمْ عَلَیْنَا (مسلم ج۱ ص۳۰۴) امام نوویؒ فرماتے ہیں معناه نهانا رسول اللہ ﷺ عن ذلک نهی کراهة تنزیه لا نهی عزیمة وتحریم (نووی ج۱ ص۳۰۴) حکیم صاحب! صحابیات بھی جانتی تھیں کہ نھی کبھی کراہت کے لئے ہوتی ہے کبھی تحریم کے لئے۔ حکیم صاحب! بیع میں دھوکا منع ہے مگر ایک شخص جو دھوکا کھا جاتا تھا اسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تُم لاخلابَۃَ کہہ دیا کرو امام بخاریؒ اس پر ان الفاظ میں باب باندھتے ہیں مایکره من الخداع فی البیع (صحیح بخاری ج۱، ص۲۸۴) حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اس باب کا مطلب بیان فرماتے ہیں کانه اشار بهذا الی ان الخداع فی البیع مکروه

ولکنہ لا یفسخ البیع (ھامش بخاری ج ا ص ۲۸۴ نمبر ۱۰) اور خود اسی زیر بحث حدیث پر امام ترمذی اور ابن ماجہ نے کراہت کا باب باندھا ہے ان پر تو اعتراض نہیں کیا مگر صاحب ہدایہ پر اعتراض کیا۔ کیا حضرت ام عطیہ امام بخاری۔ امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام نوویؒ پر بھی مخالفت حدیث کا الزام لگے گا۔

حکیم صاحب! یہ بد دیانتیاں سبیل رسول نہیں سبیل یہود ہیں۔

حکیم صاحب! فقہ پر اعتراض کرنے کے لئے سمجھ بوجھ اور علم کی ضرورت ہے۔ جس سے صرف آپ ہی نہیں اپ کا سارا فرقہ محروم ہے۔ آپ اپنے استاد محترم کی آنکھوں دیکھی شہادت پڑھیں۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں۔ ''اہل حدیث جماعت اپنے ناقص العلم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکا نہ کھائے ان میں بعض تو پرانے خارجی اور بے علم محض اور بعض کانگرسی ہیں (احیاء المیت ص ۳۴) حکیم صاحب دانا سچ کہتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

حکیم صاحب آپ نے مشکوٰۃ میں یہ حدیث پڑھی ہو گی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا جو سچے دل سے لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھے خدا تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتے ہیں لیکن آپؐ نے حضرت معاذؓ کو روک دیا کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ دینا اس روک کے باوجود حضرت معاذؓ نے موت کے وقت یہ حدیث سنا دی بلکہ اس کے نہ سنانے کو گناہ سمجھا (مشکوٰۃ) حکیم صاحب آنحضرتؐ نے جس سے روک دیا تھا اس کو سنانا ہی رسول پاکؐ کی کیا کم مخالفت تھی لیکن اب نہ سنانے کو گناہ سمجھنا یہ تو انتہا ہو گئی۔ فرمائیں آپ کے اصول پر معاذ اللہ حضرت معاذؓ منکر حدیث بن کر فوت ہوئے یاد رکھنا کسی امتی سے اس کی تاویل نقل نہ کرنا، صاف آنحضرت ﷺ کی حدیث پیش کرنا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہو کہ اب نہ سنانا صرف موت کے وقت سنانا نہ سناؤ گے تو گنہگار ہو گے۔

(۳) عورتوں کی امامت کا مسئلہ

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۳۱ پر اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے کہ اس میں فقہ اور حدیث میں اختلاف ہے۔ جماعت کی نماز میں امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا آگے کھڑا ہونا اسلام میں سنت متواترہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ خلفائے راشدین اور تمام امت کا عمل یہی ہے۔ اس لئے دو یا دو سے زائد مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہو کر جماعت کرانا اس سنت متواترہ کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث موجود نہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ اس مسئلہ میں عورتوں کا حکم مردوں سے مختلف ہے حکیم صاحب اور ان کا سب فرقہ شاذہ قیامت تک ایسی حدیث پیش نہیں کر سکتا۔ ﴿وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾

حکیم صاحب نے ابوداؤد امامۃ النساء سے حضرت ام ورقہ کی حدیث نقل کی ہے جَعَلَ لَهَا مُؤَذِّنً يُؤَذِّنُ لَهَا وَاَمَرَهَا اَنْ تَؤُمَّ اَهْلَ دَارِهَا (ج ۱ ص ۶۱) حکیم صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس کی سند میں ایک راوی محمد بن فضیل ہے جو سچا تو ہے مگر مذہباً شیعہ ہے دوسرا راوی ولید بن عبداللہ بن جمیع ہے جو سچا تو ہے مگر وہم کا مریض اور مذہباً شیعہ ہے تیسرا راوی عبدالرحمٰن بن خلاد ہے جو مجہول ہے (۲) پھر حکیم صاحب نے حدیث کا یہ جملہ چھوڑ دیا کہ حضرتؐ نے حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کے لئے ایک مؤذن رکھے۔ دوسری روایت میں ہے حضرتؐ نے خود مؤذن مقرر فرما دیا۔ شاید اس طرح ہر غیر مقلد گھر کو ایک ایک مستقل مؤذن رکھنا پڑے گا جس پر ان کا عمل نہیں ہے پھر اس حدیث میں حضور ﷺ کا امر موجود ہے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے تو غیر مقلدین کا فرض ہے کہ ہر گھر میں عورت کی امامت کو واجب قرار دیں یہ اجازت کا لفظ حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ پھر اس حدیث میں حضرتؐ نے امام

عورت کو مقتدیوں سے آگے کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا تو ہر غیر مقلد گھر کے مرد اپنی بیوی کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز با جماعت ادا کیا کریں۔ الغرض یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی اس حدیث کے ظاہر الفاظ پر امت میں کسی کا عمل ہے کہ ہر گھر میں مستقل مؤذن ہو اور مستقل جماعت عورت کرائے۔

پھر حکیم صاحب کو مندرجہ ذیل احادیث جو کلیہ قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہیں نظر کیوں نہیں آئیں۔ عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ قال لا خَیْرَ فِیْ جَمَاعَةِ النِّسَاءِ اِلافِیْ الْمَسْجِدِ! وَفِیْ جَنَازَةٍ قَتِیْلٍ رواہ احمد والطبرانی (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۵) حضرت علی فرماتے ہیں لاتَؤُمُّ الْمَرْأَةُ (المدونۃ الکبریٰ ج ۱، ص ۸۶) اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَاوَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا (مسلم ج ۱ ص ۱۸۲) عورت کے لئے تو مقتدی بن کر بھی اگلی صف میں کھڑے ہونا منع ہے پھر اس کی امامت کیسے جائز ہو گی۔

حکیم صاحب! جب گھر کے مرد عورت کے مقتدی بنیں گے تو ان پر امام صاحبہ کی اطاعت واجب ہو گی یا نہیں اگر وہ اطاعت کریں گے تو حضرت کا فرمان ہے هَلَكَتِ الرِّجَالُ حِیْنَ اَطَاعَتِ النِّسَاءِ رواہ احمد والحاکم وقال صحیح الاسناد۔ حکیم صاحب یہ کہیں کہ ہم تو صرف اس کے قائل ہیں کہ صرف عورت عورتوں کی جماعت کرائے تو ان کی پیش کردہ حدیث میں یہ ذکر نہیں بلکہ سب گھر والوں کی امامت کا حکم ہے اور گھر میں مرد بھی ہوتے ہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث سے پتہ چلا کہ عورت کی جماعت میں کوئی خیر نہیں اور خیر سے خالی ہونا ہی دلیل کراہت ہے حکیم صاحب نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو روایت نقل کی ہے اولاً تو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے (میزان الاعتدال) دوسرے اس طریقہ کی تائید آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں اور جماعت کے وقت مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے ہاں

ایسے مکروہ کا ارتکاب کسی ضرورت کے تحت کیا جاسکتا ہے مثلاً کسی کو نماز کا طریقہ سکھانے کے لئے جیسے ظہر وعصر میں امام کا بلند آواز سے قرآن پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے مگر صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ بغرض تعلیم کبھی کبھار کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ ایسی ضرورت کے وقت کراہت نہیں رہتی۔ لیکن اس کو جواز کا قاعدہ بنا لینا یقیناً مکروہ ہے الغرض حکیم صاحب نے سبیل یہود پر عمل کرتے ہوئے دو ضعیف حدیثیں لکھیں اور باقی صحیح حدیثوں کو چھپایا۔ اور بالکل یہی دھوکا ہدایہ کے ساتھ کیا اس کی عبارت بھی مکمل نہیں لکھی۔

مکمل عبارت

ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعة لانها لاتخلوعن ارتکاب محرم وھوقیام الامام وسط الصف فیکرہ کا العراۃ وان فعلن قامت الامام وسطھن لان عائشة فعلت کذلک وحمل فعلها الجماعة علیٰ ابتداء الاسلام ولان فی التقدم زیادۃ الکشف (ہدایہ باب الامامت ص۸۴، ایچ ایم سعید)

حکیم صاحب نے ہدایہ کی عبارت نامکمل پیش کی صاحب ہدایہ نے خود حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہی ثابت کر دیا کہ اس سے ہی کراہت نکلتی ہے کیونکہ امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

ایک سوال حکیم صاحب آپ تو حدیث وفقہ میں بددیانتی کر کے بھی تضاد ثابت نہ کر سکے لیکن ذرا دیانت داری سے اس کا جواب دیں کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کے ساتھ دو مرتبہ فرمایا **لا صَامَ مَنْ صَامَ الاَبَد** جس نے ہمیشہ کا روزہ رکھا اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا (بخاری ج ۱ ص ۲۶۵) مگر امام شعبہ بن الحجاج صائم الدہر تھے (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۰) امام بخاریؒ صائم الدہر تھے (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۰

) حافظ عبداللہ روپڑی صائم الدھر تھے (نتائج التقلید ص ۴۰) ان حضرات کو آپ بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں یا نہیں سمجھتے ہیں تو ان کے خلاف آپ نے کونسی کتاب لکھی ہے۔

(۴) نابالغ کی امامت کا مسئلہ

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۳۲ پر بچے کی امامت کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ حدیث سے بچے کی امامت جائز ہے اور فقہ ناجائز کہتی ہے۔ لیکن بچے کی امامت کے جواز میں نہ تو وہ آنحضرت ﷺ کا حکم پیش کر سکے کہ بالغ مرد نابالغ بچے کو اپنا امام بنا لیا کریں۔ نہ حضرت کا فعل ثابت کر سکے کہ خود آنحضرت ﷺ نے کسی نابالغ بچے کو مردوں کا امام بنایا ہو اور نہ یہ ثابت کر سکے ہیں کہ عمرو بن سلمہ سات سالہ بچے کی امامت کا حضورؐ کو علم ہوا اور آپ خاموش رہے ویسے عوام کو دھوکا دینے کے لئے یہ جھوٹ لکھ دیا ہے کہ حضورؐ کو علم ضرور تھا اور آپؐ نے سکوت فرمایا یہ بالکل غلط ہے حکیم صاحب نے بخاری کا حوالہ دیا ہے مگر بخاری میں یہ ہرگز مذکور نہیں۔ عمرو بن سلمہ کے خاندان کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت کا حکم سنا کہ جو زیادہ قرآن پڑھا ہو اس کو امام بناؤ انہوں نے اپنی رائے سے عمرو بن سلمہ کو امام بنا لیا اس حال میں کہ عمرو بن سلمہ کی چادر پھٹی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے چوتڑ ننگے ہوتے تھے پیچھے نماز پڑھنے والی عورتوں نے کہا امام صاحب کے چوتڑ تو چھپا دو (ابوداؤد) حکیم صاحب نے پورا واقعہ اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس حدیث سے استدلال کی صحت سے ستر عورت کا وجوب بھی ختم ہو جاتا اور احناف کی ضد میں ان کے آئمہ مساجد کو چوتڑ ننگے کر کے نمازیں پڑھانی پڑتیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ بچے کو امام بننے کی تو کیا اجازت دیتے وہ بچے کو پہلی صف سے آگے بڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لَا یَتَقَدَّمُ الصَّفُّ الْاَوَّلُ اَعْرَابِیٌّ وَّلَا اَعْجَمِیٌّ وَّلَا غُلَامٌ لَمْ یَحْتَلِمْ۔

(دارقطنی باب من یصلح ان یقوم خلف الامام ج ۱، ص ۲۸۱)

(۲) اہل طائف نے نماز تراویح میں ایک بچے کو امام بنالیا اور حضرت عمرؓ کو بطور خوشخبری یہ بات لکھی حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہیں چاہیے کہ لوگوں کا امام ایسے بچے کو بناؤ جس پر حدود واجب نہیں۔ (عبدالرزاق ج۲ص ۳۹۸)

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے ہمیں منع فرمادیا تھا کہ ہم امامت اس حال میں کرائیں کہ قرآن پاک مصحف سے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم کسی نابالغ کو امام بنائیں (کنز العمال ج۴ص ۲۴۶)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں لڑکا اس وقت تک امام نہ بنے جب تک اس پر حدود واجب نہ ہوں (یعنی جب تک بالغ نہ ہو جائے) رواہ الاثرم فی سننہ کذافی المنتقی. (اعلاء السنن ج۴ص ۲۸۲)

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امام نہ بنے۔ (عبدالرزاق ج۲ص ۳۹۸)

(۶) مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاء فرماتے ہیں لڑکا امامت نہ کرائے۔ جب تک بالغ نہ ہو۔ (عبدالرزاق ج۲ص ۳۹۸)

(۷،۸،۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام شعبی. امام مجاہد فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امامت نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳)

(۱۰) ابراہیم نخعی (صحابہ وتابعین) اس سے کراہت کرتے تھے کہ لڑکا بالغ ہونے سے پہلے امام بنے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج۱ص ۸۵)

(۱۱) آنحضرت ﷺ نے امام کو ضامن فرمایا ہے۔ (احمد طبرانی مجمع الزوائد ج۱ص ۱۴۳)

اب اگر امام کی نماز نفل ہوگی اور مقتدی کی فرض ہوگی تو وہ ضامن کیسے بنے گا اور ظاہر ہے کہ نابالغ بچے کی نماز نفل ہوتی ہے اور مردوں کی فرض تو وہ کیسے امام بن سکتا ہے معلوم ہوا کہ اس مسئلے کو خلاف حدیث کہنا حکیم صاحب کی جہالت کا کرشمہ ہے۔ حکیم صاحب ذرا ہمت کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت ابراہیم نخعی اور اس دور

کے صحابہ وتابعین کو منکرین حدیث کی لسٹ میں درج فرمالیں یا پھر بیچارے احناف سے بھی درگزر فرمالیا کریں۔

حکیم صاحب نے جس طرح نقل احادیث میں حق کو چھپایا ایسے ہی فقہ کی کتاب ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی ولایجوز للرجال ان یقتدوا بامرأة اوصبی واما الصبی لانه متنفل فلا یجوز اقتداء المفترض به.

(ہدایہ ج ا ص ۸۴، ۸۵۔ ایچ یم سعید)

حکیم صاحب آنحضرت ﷺ نے بڑی تاکید سے موت کی تمنا سے منع فرمایا تھا اور بے چارگی کی حالت میں صرف ایک خاص دعا کی اجازت دی تھی ذرا الفاظ ملاحظہ ہوں.

قال النبی ﷺ لایَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ کَانَ لابُدَّ فَاعِلاً فَلْیَقُلِ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَاکَانَتِ الْحَیَاةُ خَیْرًا لِیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَاکَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًالِی.

(بخاری ج ۲ ص ۸۴۷ عن عائشہ)

لیکن اتنی تاکیدی نہی کے بعد بھی امام بخاریؒ آخر عمر میں یہ دعا مانگتے رہے۔ ''اے اللہ زمین باوجود کشادگی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے'' ایک ماہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

(تاریخ بغداد ص ۳۴ ج ۲ طبقات الشافعیہ الکبری ج ۲ ص ۱۴)

کیا آپ اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ امام بخاریؒ کا وصال مخالفت حدیث پر ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کرو ولاتذد علی ذلک اور اس پر زیادہ مت کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۶)

آنحضرت ﷺ نے ایک ہفتہ سے پہلے قرآن پاک ختم کرنے سے صراحۃً منع فرمادیا۔ لیکن پھر بھی امام بخاریؒ روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۲ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۹ الحطہ ص ۲۲)

حضرت عثمانؓ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج۳ص۵۳)

حضرت تمیم داری اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ بھی رات کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ (طحاوی ج۱ص۲۰۵)

امام وکیع بن الجراح ایک رات میں سارا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج۱۳، ص۴۷۰)

امام شافعیؒ نے تین دنوں میں ۹ مرتبہ قرآن ختم کیا۔ (مفتاح الجنہ للسیوطی ص۲۹)

کیا آپ ان سب پر مخالفت حدیث کا الزام لگائیں گے۔

؎ اند کے باتو گفتم وغم و دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست

(۵) ہبہ کی ہوئی چیز کا مسئلہ (سبیل الرسول ص۲۳۳)

مؤلف نے حدیث اور فقہ میں اختلاف ثابت کرنے کے لئے ہبہ کا مسئلہ بھی ذکر کیا ہے۔ پہلے حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا مانند کتے کے ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ پھر ہدایہ سے فقہ کا مسئلہ نقل کیا ہے کہ جب کسی غیر شخص کو کوئی چیز ہبہ کی جائے تو ہبہ کرنے والے کو اسے واپس کرنے کا اختیار ہے پھر لکھا ہے حنفی بھائیو غور کرو کہ رسول اللہ ﷺ تو ہبہ کی چیز کو واپس لینے سے منع فرمائیں اور اس کی مثال کتے کی قے چاٹنے سے دیں لیکن فقہ میں ہبہ کو واپس لینے کا اختیار دیا گیا ہے اور پھر رجوع کے حق پر دلیل نہیں دی۔ افسوس بخاری شریف کی حدیث کا مقابلہ:۔

مؤلف نے نہ تو فقہ کا مسئلہ مکمل نقل فرمایا اور نہ ہی احادیث کو پورا بیان فرمایا۔ مسئلہ:۔اگر کوئی شخص کسی اجنبی (غیر محرم) کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس میں رجوع کا اختیار ہے لیکن اگر وہ لینے والا اس کو کوئی عوض دیدے تو اختیار باقی نہیں رہتا۔اس کی دلیل یہ

ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک لینے والے کی طرف سے عوض نہ پایا جائے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کرنے سے عادتاً مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ احسان کی راہ ورسم اختیار کرے لیکن اگر لینے والا اس مقصد کو پورا نہ کرے تو اس ہبہ کرنے والے کو فسخ کا اختیار ملنا چاہیے۔ کیونکہ مقصود پورا نہ ہوا۔ لیکن یہ اختیار ہونے کے باوجود ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کتا قے کر کے چاٹ لے اور یہ عادتۃً بھی خلاف مروت واحسان ہے۔ (ملخصاً ہدایہ ج ۳ ص ۲۸۷، ۲۸۶)

حضرات معلوم ہوا کہ ہبہ کا رجوع جائز بالکراہت ہے صاحب ہدایہ نے جواز پر بھی دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں، ایک حدیث نبویؐ، ایک عقلی دلیل اور کراہت پر بھی دو دلیلیں بیان کی ہیں ایک حدیث نبویؐ دوسری دلیل عقلی، اس لامذہب تبرائی غیر مقلد نے مسئلہ بھی نقل کرنے میں خیانت کی کہ جواز کا ذکر تو کیا کراہت کا ذکر تک نہیں کیا حالانکہ یہ خیانت کرنا ہرگز ہرگز سبیل رسول نہیں بلکہ یہ کتمان تو سبیل یہود ہے اور پھر یہ کہنا کہ رجوع کے حق پر دلیل نہیں خالص جھوٹ ہے صاحب ہدایہ نے دو دلیلیں بیان کی ہیں یہ جھوٹ بولنا سبیل رسول نہیں بلکہ علامت نفاق ہے۔ اور عوام کو سلف صالحین سے بدگمان کرنا اور سلف کے خلاف بدزبانی کرنا بھی علامات قیامت میں سے ہے ایسے ہی لامذہبوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ وہ جاہل ہوں گے اور بغیر علم کے فتوے دیں گے خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

جو حدیث صاحب ہدایہ نے جواز کی دلیل میں نقل فرمائی ہے اس کی تخریج مطالعہ فرمائیں۔

(۱) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اَلرَّجَالُ اَحَقُّ بِھِبَتِہٖ مَالَمْ یُثَبْ مِنْھَا۔

(ابن ماجہ ص ۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ہبہ میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے جب تک عوض نہ ملے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دو سندوں سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کی وہ اس میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے جب تک اس کا عوض نہ ملے لیکن یہ رجوع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کتا قئے کر کے چاٹ لے (طبرانی۔ دار قطنی) دونوں سندیں باعث تقویت ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص کوئی چیز ہبہ کرے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ ملے۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۲) اور حاکم نے کہا ہے کہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۴) خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جو شخص کسی غیر محرم کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ پائے (طحاوی شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۲۶۶، ۲۶۷) یہ کئی سندوں سے ہے۔

(۵) حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہبہ کرنے والا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ پائے (طحاوی ج ۲ ص ۲۶۷)

(۶) حضرت ابو الدرداءؓ بھی ہبہ میں رجوع کو جائز فرمایا کرتے تھے۔

(طحاوی ج ۲ ص ۲۶۷)

(۷، ۸، ۹، ۱۰) حضرت عمر بن عبد العزیز۔ قاضی شریح حضرت امام سعید بن المسیب اور امام ابراہیم نخعیؒ چاروں سے صحیح سندوں سے یہی روایت ہے

(المحلی ابن حزم ج ۹، ص ۱۲۹، ۱۳۰)

(۱۱) اور یہی مسلک مکہ مکرمہ کے فقیہ حضرت عطاء اور

(۱۲) مدینہ منورہ کے مفتی حضرت ربیعۃ الرائی وغیرہ تابعین کا ہے۔

(المحلی ج ۱ ص ۱۳۰)

اب یہ لامذہب تبرائی غیر مقلد غور کر کے بتائے کہ ان بارہ روایات کو چھپانا سبیل یہود ہے یا نہیں۔ اس لامذہب کا یہ اعتراض صرف امام ابوحنیفہؒ پر ہی نہیں بلکہ حضرت عطاء حضرت ربیعۃ الرائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت امام ابراہیم نخعیؒ حضرت امام سعید بن المسیب اور حضرت قاضی شریح پر پہنچتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے اور پھر سید کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ آہ حنفیت کی ضد میں یہ شخص کیسا اندھا ہو رہا ہے۔

نوٹ: کتے کا قئے کر کے چاٹ لینا شرعاً حرام نہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں۔ اگر چہ طبعاً نہایت خسیس اور قبیح حرکت ہے لیکن غیر مقلدین کے مذہب میں کتا خود بھی پاک ہے (عرف الجادی ص ۱۰) اس کی قئے اور خون بھی پاک ہے (بدور الاہلہ ص ۱۷) کتا کنویں میں گر کر مر جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۰ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۱) البتہ بچوں کی گیند کھیلتے ہوئے کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہو گیا۔ اب تاوقتیکہ تمام و کمال پانی نہ نکلے پاک نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۲ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱، ص ۱۸) اگر کسی کی جوتی گر جائے تو سارا پانی کنوئیں کا نکالنا آتا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۲ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۹) ان فتاویٰ کے لئے حدیث صحیح صریح معارض پیش فرمائیں۔

(۶) استسقاء کی نماز باجماعت

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۳۴ پر نماز استسقاء کے مسئلہ کو حدیث کے خلاف قرار دیا ہے پہلے ہدایہ کی عبارت کا ترجمہ دیکھیں، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا استسقاء میں نماز باجماعت سنت نہیں ہے اگر لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو جائز ہے استسقاء تو صرف دعا اور استسقاء ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا استسقاء کرو اپنے رب سے بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے (اور اس استسقاء کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ خوب برسنے

والے بادل بھیجیں گے اور آنحضرت ﷺ نے (اکثر دفعہ) بارش کی دعا مانگی اور (ان اکثر واقعات میں) آپ سے نماز پڑھنا مروی نہیں اور صاحبین کہتے ہیں کہ نماز پڑھائے امام دو رکعت جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے پڑھیں دو رکعت مثل عید کے اس کو ابن عباسؓ نے روایت فرمایا ہم کہتے ہیں آپؐ نے ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھی پھر چھوڑ دی پس سنت نہ ہوئی (ہدایہ ج ۱ ص ۱۷۶) یہ پوری عبارت ہے جو حکیم صاحب نے نقل نہیں کی۔ حکیم صاحب کو مخالفت کے مفہوم کا معنی بھی نہیں آتا۔ امام صاحب اس نماز باجماعت کے سنت ہونے کی نفی کرتے ہیں حدیث کے خلاف جب ہوگا کہ آپ حدیث شریف میں لفظ سنت دکھا دیں جو آپ قیامت تک نہیں دکھا سکتے اگر آپ کے نزدیک نماز باجماعت استسقاء کی مستقل سنت ہے تو فرمائیے۔

(۱) قرآن پاک نے بارش مانگنے کا جو طریقہ ذکر فرمایا اس میں استسقاء ہے نماز باجماعت کا ذکر نہیں کیا اس قرآنی طریقہ کو آپ خلاف سنت کہیں گے۔

(۲) آنحضرت ﷺ نے اکثر اوقات بارش کے لئے صرف دعاء استسقاء پر ہی اقتصار فرمایا نماز باجماعت نہیں پڑھائی کیا یہ سب کچھ آپ کے نزدیک خلاف سنت ہے۔

(۳) ابو مروان الاسلمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلے تو آپ نے استغفار کے علاوہ اور کچھ نہ کیا۔

(ابن ابی شیبہ۔ سعید بن منصور، زجاجہ ج ۱ ص ۴۲۲)

اگر یہ طریقہ خلاف سنت ہوتا تو حضرت عمرؓ کیوں ایسا کرتے اور مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہؓ جو ساتھ تھے وہ اس ترک سنت پر کیوں خاموش رہتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اعضائے وضو کا ایک ایک دو دو مرتبہ دھونا آپؐ کے فعل سے ثابت ہے مگر سنت نہیں سنت تین تین دفعہ دھونا ہی ہے۔

قابل غور

آنحضرت ﷺ نے خصالِ فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا و نتف الابط (بخاری ج ۲ ص ۸۷۵ مسلم ج ۱ ص ۱۲۸) لغت میں نتف کے معنی (موچنے کے ساتھ) بال اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح صریح مرفوع حدیث میں حلق الابط استرے کے ساتھ بالوں کے مونڈنے کا ذکر نہیں۔ لیکن سارے غیر مقلدین اس سنت کی مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں اور استرے سے بغل کے بال منڈواتے ہیں آپ نے اس مردہ سنت کو زندہ کرنے کے لئے کوئی مہم نہیں چلائی اور اپنے سارے فرقے پر مخالفت حدیث کا الزام ابھی تک نہیں لگایا۔ کیا آپ کے نزدیک عمل بالحدیث فقہاء کو گالیاں دینے کا ہی نام ہے۔

(۷) نماز جنازہ غائبانہ

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۳۵ پر نماز جنازہ غائبانہ میں حدیث و فقہ کا تضاد ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اپنی عادت کے مطابق نہ حدیث کو سمجھ سکے ہیں اور نہ فقہ کو حکیم صاحب تعصب دل سے نکال کر مندرجہ ذیل امور کا جواب دیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ کے کئی صحابہ کا ملک عرب میں وصال ہوا۔ کیا آپ ؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی آپ ؐ کی پوری زندگی میں ایک بھی مثال کسی صحیح سند سے نہیں ملتی۔

(۲) خود آنحضرت ﷺ کے وصال پر کس کس ملک میں کس کس صحابی نے آپ ؐ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کس کس کی نماز جنازہ نہ ادا فرمائی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے وصال پر کس کس ملک میں آپ ؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی گئی۔

(۵) حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کس کس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی۔

(۶) حضرت عمرؓ کی شہادت پر کس کس ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی گئی۔

(۷) حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلات میں کس کس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

(۸) حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کس کس ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی گئی۔

(۹) حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کن کن کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

(۱۰) حضرت علیؓ کی شہادت پر کس کس ملک میں ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

(۱۱) امہات المومنین کے وصال پر کس کس ملک میں نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

(۱۲) آنحضرت ﷺ کی اولاد اطہار کی وفات پر کن کن علاقوں میں جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔

اسلام میں ان ہستیوں سے بڑھ کر ہستیاں نہیں گزریں جب ان بارہ کے بارہ سوالوں کے جواب میں آپ ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنے سے عاجز ہیں تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھنا ہی سنت متواترہ ہے اور سنت متواترہ کے خلاف کوئی حدیث خبر واحد مل بھی جائے تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس کو قبول نہ کرو۔ (الکفایہ)

جس حدیث سے حکیم صاحب نے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے اس میں نہ غائب کا لفظ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا نہ صحابہ نے کہا ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا۔ حکیم صاحب نے قیاس سے یہ نکال لیا۔ اب ذرا نماز جنازہ پڑھنے والے صحابہؓ کی سن لیجئے فرماتے ہیں نَحْنُ لا نَرىٰ اِلا اَنَّ الْجَنَازَةَ قُدَّامُنَا (ابوعوانہ) وَهُمْ لايَظُنُّوْنَ اِلااَنَّ جَنَازَتَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ (ابن حبان) وَمَا نَحْسِبُ الْجَنَازَةَ اِلا مَوْضُوْعَةً بَيْنَ يَدَيْهِ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶) جب جنازہ سامنے تھا تو غائبانہ کیسے رہا۔

(۸) جماعت میں اکہری تکبیر سبیل الرسول ص ۲۳۶

حکیم صاحب نے ہدایہ سے یہ عبارت نقل کی ہے والاقامة مثل الاذان اس کی دلیل میں صاحب ہدایہ نے لکھا تھا ھکذا فعل الملک النازل من السماء (ہدایہ ص ۸۸) صاحب ہدایہ نے بات صاف کردی ہے کہ یہ اقامت کسی فقیہ نے معاذ اللہ گھر سے نہیں گھڑی بلکہ اصل اذان و اقامت اس فرشتے کی ہے جس نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اذان سکھائی تھی اس فرشتہ نے اقامت مثل اذان سکھائی تھی۔

(۱) حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے کی اذان اور اقامت دونوں دوہری دوہری تھیں (ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۱۳۶ عبدالرزاق ج ۱، ص ۴۶۱، ۴۶۲ آثار السنن ج ۱، ص ۵۲) وسندہ صحیح۔ ھذا اسناد فی غایة الصحتہ (المحلی لابن حزم ج ۲ ص ۱۵۸) حافظ ابن دقیق العید کہتے ہیں رجالہ رجال الصحیح (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۶۷، ابوداؤد ج ۱ ص ۷۵)

(۲) حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کی اذان و اقامت دو دو مرتبہ تھی۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۷)

(۳) حضرت ابومحذورہؓ فرماتے ہیں مجھے آنحضرت ﷺ نے اذان و اقامت دو دو مرتبہ سکھائی۔ (عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۵۸)

(۴) عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں میں نے ابومحذورہؓ کی اذان و اقامت سنی دونوں دو دو مرتبہ تھیں۔ (طحاوی ج ۱، ص ۹۳)

(۵) حضرت سلمہ بن الاکوع بھی اذان و اقامت دوہری کہتے تھے (دارقطنی واسنادہ صحیح۔ (آثار السنن ج ۱، ص ۵۳)

(۶) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ثوبانؓ کی اذان و اقامت دوہری دوہری ہوتی تھی۔ (عبدالرزاق ج ۲ ص ۴۶۲)

(۷) حضرت سوید بن غفلۃ فرماتے ہیں میں نے حضرت بلالؓ کو اذان و اقامت

کہتے سنا ان کی اذان و اقامت دو دو مرتبہ ہوتی تھی۔

(رواہ الطحاوی واسنادہ حسن (آثار السنن ج ۲ ص ۵۳)

(۸) حضرت ابو جُحَینہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نبی پاک ﷺ کے لئے اذان بھی دو دو مرتبہ اور اقامت بھی دو مرتبہ کہا کرتے تھے (رواہ دار قطنی و الطبرانی) محدث طحاویؒ فرماتے ہیں حضرت بلالؓ کا دوہری اقامت کہنا تواتر سے ثابت ہے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۹۴)

(۹) حضرت علیؓ کا مؤذن اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتا تھا (عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۶۳)

(۱۰) حضرت ربیع بن قیس کہتے ہیں بے شک حضرت علیؓ اذان و اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے ایک دن ایک مؤذن کو سنا جس نے ایک ایک مرتبہ کہی حضرت علیؓ نے فرمایا تو نے دو دو مرتبہ کیوں نہ کہی تیری ماں مر جائے۔ (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۸)

(۱۱) ابو اسحاق کہتے ہیں اصحاب علیؓ اور اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ سب کے سب اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۴)

(۱۲) حضرت امام سفیان ثوریؒ نے منیٰ میں اذان و اقامت کہی جو دو دو مرتبہ تھی۔

(عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۶۲)

(۱۳) مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ اقامت کہنا امراء (بنی امیہ) کی تخفیف ہے اقامت تو دو مرتبہ ہی ہے۔

(عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۶۳ ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۸ الطحاوی ج ۱ ص ۹۵ دار قطنی ص ۸۹)

(۱۴) امام محمدؒ سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا سب سے پہلے جس نے اقامت میں کمی کی وہ معاویہ بن ابی سفیان تھے۔

(کتاب الحجۃ علیٰ اھل المدینۃ ج ۱ ص ۸۴)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں سنت متواترہ دوہری اقامت ہی تھی۔ حضرت علیؓ اور آپ کے تمام اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تمام اصحاب میں بھی دوہری اقامت ہی متوارث تھی۔ بعض اموی امراء

نے اختصار سے کام لے کر اقامت اکہری بنالی۔ پس ثابت ہوا کہ دوہری اقامت احناف نے گھر سے نہیں گھڑی آنحضرت ﷺ کے سب مؤذن حضرت ابومحذورہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ثوبانؓ، حضرت سلمہ بن الاکوع دوہری اقامت ہی کہا کرتے تھے اور یہی خلافت راشدہ میں رائج تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد بعض اموی امراء نے اکہری تکبیر نکالی اور اپنے دورِ حکومت سے اس کو رواج دیا۔

حکیم صاحب نے سنتوں کے مٹانے پر کمر باندھ رکھی ہے وہ جس حدیث سے دھوکا دے رہے ہیں ان میں اگر کلمات مراد لئے جائیں تو سنت متواترہ کے خلاف ہوگی خود ان کے عمل کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ وہ اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ دو مرتبہ اور اقامت میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ ایک مرتبہ اس لئے اس حدیث میں شفع سے مراد یہ ہوگا کہ اذان کے کلمات دو سانس میں ہوں اقامت کے ایک سانس میں (اذان)

اللہ اکبر اللہ اکبر	اللہ اکبر اللہ اکبر	(شفع)
اشھدان لا الہ الا اللہ	اشھدان لا الہ الا اللہ	"
اشھد ان محمد رسول اللہ	اشھدان محمد رسول اللہ	"
حی علی الصلوٰۃ	حی علی الصلوٰۃ (دو مرتبہ)	
حی علی الفلاح	حی علی الفلاح (دو مرتبہ)	

اللہ اکبر اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر

اشھدان لا الہ الا اللہ دونوں ایک سانس سے وتر۔

اقامت میں یہ دونوں کلمے ایک ہی سانس میں کہیں۔

پس اس تطبیق سے احادیث میں کوئی اختلاف نہ رہا ان سے کلمات مراد لینا اموی امراء کی بناوٹ ہے۔

حکیم صاحب! فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا مگر اپنے فرقہ کو دیکھیں آنحضرت ﷺ تو فقہ کو خیر فرماتے ہیں (بخاری ج ۱ ص ۱۸) مگر آپ کا محمد جونا گڑھی کتاب کا نام رکھتا ہے **اظہار الطیب و الخبیث بتقابل الفقہ و الحدیث** بتائیے اس نام میں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے یا حدیث کو جس کو بھی خبیث کہا گیا ہے یقیناً حدیث کے مخالف ہے ورنہ قرآن و حدیث میں دکھاؤ کہاں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے۔

(۹) نماز کی امامت کا مسئلہ

حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس تعلیمات کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا بلکہ وہ دشمن سنت شاتم سلف صالحین محمد جونا گڑھی کی آراء کا خوشہ چین ہے۔ اس مندرجہ بالا عنوان کے تحت اس نے محمد جونا گڑھی کی کتاب طریق محمدی کو سامنے رکھ کر کئی مسائل چھیڑے ہیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ امامت کا سب سے بڑا مستحق وہ ہے جو قرآن کا سب سے بڑا قاری ہو لیکن فقہ نے کہا کہ نہیں سب سے بڑا مستحق وہ ہے جو سنت کا سب سے بڑا عالم ہو۔ اس طرح فقہ نے حدیث کا حکم تبدیل کر دیا۔

(۲) دوسرے نمبر پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو سنت کا بڑا عالم ہو وہ امام بنے مگر فقہ نے اس حکم کو بدل کر کہا بڑا قاری امام بنے۔

(۳) تیسرے نمبر پر رسول اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو وہ امام بنے لیکن فقہ نے اس حکم کو بھی بدل دیا اور اس کی بجائے کہا کہ جو زیادہ پرہیز گار ہو وہ امام بنے البتہ چوتھی صورت کو فقہ نے بحال رکھا ہے۔

(۴) فقہ نے ان چار صورتوں کو دس بنا دیا اور پھر اکیس تک بڑھا دیا۔

(۵) اور یہ طریقہ خدا و رسول سے آگے بڑھنا ہے جس سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ (سبیل الرسول ص ۲۴۰، ۲۴۳ ملخصاً)

اصل بات

یہ فرقہ غیر مقلدین ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ میں اس کی خاص پالیسی کے موافق پیدا کیا گیا اس فرقہ کا اصل مشن مساجد میں لڑائی جھگڑا کھڑا کرنا تھا۔ تاکہ مساجد میں درس جہاد بند ہو جائے اور عوام میں جذبہ جہاد سرد ہونے سے ملکہ وکٹوریہ آرام سے اپنی حکومت کر سکے۔ بلکہ مساجد میں رات دن ایسا فساد ہوتا رہے کہ مسلمان نہ کبھی متحد ہو سکیں اور نہ جہاد کا خیال دل میں لا سکیں۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہماری مرکزی مساجد کے اکثر آئمہ یا تو شہید ہو چکے تھے یا کالے پانی بھیج دیئے گئے تھے۔ انگریز کی خواہش تھی کہ ان کی جگہ یہ غیر مقلدین امام مسجد بن جائیں تاکہ عوام مسلمانوں کو بتائیں کہ انگریز حکومت کے خلاف جہاد حرام ہے جہاد کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں ان کی دو کتابیں الاقتصاد فی مسائل الجہاد مؤلفہ مولوی محمد حسین بٹالوی وکیل اہلحدیث ہند اور ترجمان وہابیہ مؤلف نواب صدیق حسن صاحب اس وقت مفت تقسیم کی جاتی تھیں اول الذکر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی حکومت برطانیہ کے جاگیردار اور ثانی الذکر نواب صدیق حسن خاں صاحب انگریز کے وظیفہ خوار تھے۔ ان سب باتوں کی باحوالہ تفصیل ہماری کتاب ''انگریز اور اہلحدیث'' میں مطالعہ فرمائیں۔ جب ان لامذہبوں کو یہ شوق چرایا کہ جن مساجد کے ائمہ شہید یا قید ہو گئے ہیں۔ وہاں ہم امام بن بیٹھیں اور امام وخطیب بن کر انگریز کے خلاف جہاد کو حرام اور فقہاء کے خلاف فساد کو فرض قرار دیں۔ تو ان کی یہ کوشش اس لئے ناکام ہو جاتی کہ ان میں امامت کی شرائط موجود نہ ہوتیں۔ سب سے پہلے سنت کا بڑا عالم دیکھنا تھا تو ان کے بڑے سے بڑے عالم کا یہ حال تھا کہ وہ قرآن وحدیث سے نماز کی شرائط ارکان واجبات کی تفصیل بھی نہ بتا سکتا تھا۔ وہ یہ بھی نہ بتا سکتا تھا کہ ایک رکعت نماز میں کل کتنی سنتیں ہیں بلکہ جب ان سے کہا جاتا کہ مقلدین کے اصول فقہ کو چھوڑ کر صرف قرآن وحدیث سے فرض، واجب، سنت موکدہ، مستحب، مکروہ حرام کی جامع مانع تعریفیں اور ان کے منکر یا تارک کے

احکام بیان کرو تو وہ بہرے اور گونگے بن جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسا جاہل آدمی امامت کا مستحق نہیں ہو سکتا تو اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ شور مچاتے کہ امامت کا مستحق بڑا قاری ہوتا ہے فقہ نے ترتیب بدل دی ہے اور بس فقہ اور فقہاء پر تبرابازی شروع کر دیتے۔ اور کہتے ہمیں حدیث کے معیار پر پرکھو جب لوگ کہتے کہ اچھا ثابت کرو کہ تم بڑے قاری ہو تو حنفی بچوں کے سامنے بھی جو قاری ہوتے ان کا قرآن غلط نکلتا۔ کیونکہ ان کے مدارس میں فقہ پر تبرابازی اور فقہاء پر سب دشتم تو سکھائی جاتی تھی قرآن پاک پر کوئی محنت نہیں کرائی جاتی تھی آج تک ان کے ۹۵٪ آدمی قرآن غلط پڑھتے ہیں جو اگر کوئی شاذ ونادر صحیح پڑھتا ہے تو وہ حنفی مدارس کا فیض ہے۔ جب ان کی پرہیز گاری کی بات چھڑتی تو لوگ دیکھتے کہ شراب کو پاک کہتے ہیں، خون نکلنے سے وضو نہیں کرتے۔ منی کو پاک کہتے بلکہ کھانا بھی جائز سمجھتے ہیں کفار سے جہاد کو حرام مگر مساجد میں فساد کو فرض جانتے ہیں ملکہ وکٹوریہ اور حکومت برطانیہ کے رات دن قصیدے پڑھتے ہیں مگر فقہاء اور صوفیاء کرام پر رات دن تبرابازی کرتے ہیں۔ یہ ان کی پرہیز گاری کا عالم تھا اس کے بعد بڑی عمر والے کو دیکھنا تھا لیکن یہ احناف سے شکست خوردہ ایسے چھپے کہ ان کے عمر رسیدہ لوگ تو سنت فرض کی تعریف بھی نہ کر سکتے تھے اب شور مچانے کے لئے اپنی بچہ پارٹی کو آگے کر دیا (شبان اہلحدیث) اور یہ آخری شرط بھی ختم ہو گئی۔ جب امامت کی شرائط سے یہ فرقہ بالکل عاری نکلا تو اپنے عیب چھپانے کے لئے محمد جونا گڑھی کی قیادت میں فقہ پر حملہ آور ہوئے۔

(۱) مؤلف کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا امامت کا زیادہ حقدار بڑا قاری ہے۔ یہ حدیث تو نقل کر دی مگر آنحضرت ﷺ کا دوسرا فرمان کہ امامت کا زیادہ مستحق **اَفْقَهُهُمْ فِي الدِّيْنِ** ہے جو دین کا بڑا فقیہ ہو پھر وہ جو بڑا قاری ہے (مستدرک حاکم ج۱ ص۲۹۳ دار قطنی ج۱ ص۱۰۴) کیا وجہ ہے کہ پہلی حدیث کو ماننے والا تو اہل حدیث کہلائے لیکن دوسری حدیث کو ماننے والا مخالف حدیث کہلائے کیا حکیم

صاحب ایک ہی ایسی حدیث پیش کر سکتے ہیں۔ جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ پہلی حدیث کو ماننا اور دوسری حدیث کو ماننے سے انکار کر دینا بلکہ اس کے ماننے والوں کو منکر حدیث کہنا حکیم صاحب کا فرض تھا کہ دونوں حدیثیں نقل کر کے ان میں تطبیق بیان کرتے لیکن اس کے لئے علم کی ضرورت ہے جس کا ان کی جماعت میں قحط ہے۔ ایسی احادیث میں تطبیق کے لئے فقہا کی ضرورت ہوتی ہے اب سنئے فقہاء نے کیا تطبیق بیان فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعبؓ تھے کہ خود خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ابی بن کعب سے قرآن سنو اور سب سے بڑے محدث حضرت ابو ہریرہؓ تھے۔ اب پوری امت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخری وقت اپنے مصلی پر نہ بڑے محدث حضرت ابو ہریرہؓ کو امام بنا کر کھڑا کیا اور نہ ہی سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعبؓ کو امام نماز بنایا۔ بلکہ آپ نے سب سے بڑے فقیہ کو امام بنایا یہ فقہاء کا گھڑا ہوا مسئلہ نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی آخری قولی اور فعلی سنت ہے۔ آپ کے بعد خلافت راشدہ میں بھی امامت فقہاء کے سپرد ہی رہی۔ حضرت ابی بن کعبؓ زیادہ سے زیادہ رمضان میں تراویح کی امامت کرایا کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے مشہور تابعی مفتی حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں۔ (دور صحابہ و تابعین) میں یہی کہا جاتا تھا کہ امامت کا اول درجے پر مستحق بڑا فقیہ ہے دوسرے نمبر پر بڑا قاری (کتاب الام للشافعی ج ۱ ص ۱۴۰) الغرض خیر القرون میں بھی بلانکیر اسی پر عمل جاری رہا۔ تو فقہ کا جو مسئلہ آنحضرت ﷺ کی قولی اور فعلی سنت خلفائے راشدینؓ اور خیر القرون کے اجماع سے ثابت ہے اس کے بارے میں یہ جھوٹ بولنا کہ فقہاء کا گھر کا بنایا ہوا ہے اور اس جھوٹ کو صادق کے نام کے پردہ میں چھپانا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

جس فرقہ کے صادق کا یہ حال ہو اس کے کاذب کا کیا حال ہوگا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

(۲) ہجرت

اس لا مذہب کو یہ شکوہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تیسرے نمبر پر مہاجر کو رکھا تھا لیکن فقہاء نے اس مسئلہ کو بدل کر پرہیزگار کا لفظ رکھ دیا۔ یہاں بھی خالص فریب اور مغالطہ ہے ایک ہجرت وہ تھی جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہو رہی تھی۔ اس کے بارہ میں تو آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہے۔ جب ہجرت کی یہ قسم ختم ہو گئی تو فقہاء نے جستجو کی کہ کیا ہجرت کی کوئی قسم جاری بھی ہے تو انہیں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مل گیا کہ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْب (رواہ الحاکم صححہ) یعنی وہ شخص بھی مہاجر ہے جو کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو چھوڑ دے۔ اس کی تفسیر فقہاء نے اورع یعنی زیادہ پرہیزگار سے کر دی تو یہاں مرادِ رسول کو ہی بیان فرمایا ہے۔ لا مذہب کا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے کتاب وسنت سے جہالت کی دلیل ہے۔

(۳) مرزائی کی اقتداء

فقہ کے بغض میں تو یہ لا مذہب سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا رہا ہے مگر اسے اپنے گھر کی خبر نہیں (۱) مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے "میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر ایک کلمہ گو کے پیچھے اقتداء جائز ہے۔ چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی (اہل حدیث ص ۶، ۲ اپریل ۱۹۱۵ء) اور وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جناب حافظ عبدالمنان صاحب۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب۔ مولانا شاہ عین الحق صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب نے بھی میرے ساتھ اتفاق کیا (اہل حدیث امرتسر ص ۸، ۲۸ جون ۱۹۱۲ء) دیکھئے آپ کی جماعت کے پانچوں مفتی اس پر اتفاق کر رہے ہیں کہ مرزائی امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ فرمائیے یہ مسئلہ آپ کا گھر کا گھڑا ہوا ہے یا آپ کسی حدیث سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مسیلمہ کذاب کے پیچھے نماز پڑھی ہو یا پڑھنے کا حکم دیا ہو۔

اسی فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے خود مولوی ثناء اللہ نے مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی۔ (فیصلہ مکہ ص ۳۶)

اسی طرح مولوی عنایت اللہ اثری وزیر آبادی نے مرزا محمود احمد کو کہا کہ میں آپ کو مسلمان سمجھتا ہوں اور آپ کی اقتداء کر رہا ہوں۔ مرزا محمود نے کہا ہمارا آزادانہ خیال ہے کہ تو کافر ہے اور تیری اقتداء میں ہماری نماز نہیں ہو سکتی۔
(الجہر البلیغ ج ۱ ص ۱۲۔۱۳)

(۴) ہم نے تو حدیث قولی و فعلی اور اجماع سے ثابت کر دیا کہ بڑا فقیہ امامت کا مستحق ہے اور الحمد للہ ہماری مساجد میں یہی سنت جاری ہے لیکن غیر مقلدین کی مساجد میں یہ سنت مردہ ہے کیا آپ ایک بھی حدیث پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فقہ کے منکر اور فقہ کے دشمن کو امام بناؤ فقہ کے منکر کا امام بننا تو کجا امام کے قریب پہلی صف میں بھی اولو الاحلام و النھی یعنی فقیہ ہوں دوسری صف میں بھی فقہ کے ماننے والے ہوں۔ تیسری صف والے بھی فقہ کے ماننے والے ہوں۔ (مسلم)

(۵) فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا اب امام جماعت غرباء اہلحدیث نے فتاویٰ ستاریہ میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ جو شخص بجو کو حلال نہ سمجھے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں
(فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص ۲۱ فتویٰ ۲۲۷)

(۶) آپ کے مفسر اور صحاح ستہ کے مترجم علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے کہ ''رافضیوں اور خارجیوں کی اقتداء میں نماز جائز ہے۔ (لغات الحدیث ج ۸ ص ۹۸) یہ دونوں مسئلے کس حدیث سے ثابت ہیں۔؟

(۷) نواب وحید الزمان نے لکھا ہے ''ایک شخص نے جماعت کرائی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے بے وضو نماز پڑھائی ہے تو نماز ہو گئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں،، (کنز الحقائق ص ۲۴)

(۸) نواب وحید الزمان لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے نماز پڑھائی اور بعد میں بتایا

کہ میں کافر ہوں تو نماز ہوگئی دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (کنز الحقائق ص ۲۴)

(۹) پھر ایک اور فریب دیا ہے کہ فقہاء نے زیادہ صورتیں بیان کی ہیں یہ غلط ہیں حالانکہ یہ ایسا ہی فریب ہے جیسے منکرین حدیث کہا کرتے ہیں جو مسائل قرآن پاک میں نہیں اور احادیث میں زائد ہیں وہ غلط ہیں۔ حدیث معاذؓ میں صراحت ہے کہ جب مسئلہ صراحۃً کتاب اللہ شریف میں نہ ملے تب ہی سنت سے لیا جائے گا اور جب صراحۃً سنت سے نہ ملے تب ہی اجتہاد سے لیا جائے گا اسلئے فقہ کے مسئلہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے ہر مسئلہ کے خلاف لامذہبوں کو حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنا چاہئے۔

(۱۰) اگر ہر وہ مسئلہ جو قرآن یا حدیث میں صراحۃً منقول نہ ہو غلط ہے تو بھینس کا گوشت کھانا۔ دودھ پینا، گھی، مکھن، دہی، لسی چمڑا۔ استعمال کرنا نہ قرآن میں ہے اور نہ صحیح صریح حدیث میں کیا لامذہب ان سب کے حرام ہونے کا فتویٰ دیں گے۔؟

(۱۱) اس وقت دنیا میں دوسو سے زائد چھوٹے چھوٹے جانور جن کی رگوں میں بہتا ہوا خون نہیں مگر حدیث پاک میں صرف مکھی کا ذکر آیا ہے کہ اگر پینے کی چیز میں گر جائے تو نکال کر پھینک دو اور وہ چیز ناپاک نہیں۔ استعمال کرلو مگر فقہاء نے مکھی پر ہی چیونٹی، بھڑ، مچھر، جگنو، ٹڈی، پسو، جوں، کھٹمل وغیرہ اس قسم کے دوسو سے زائد جانوروں کو قیاس کرلیا ہے۔ اب کوئی جاہل کہے کہ فقہاء نے ایک صورت سے دوسو صورتیں بیان کردیں تو یہ فقہ کا کمال ہے نہ کہ نقص۔ یہ بے چارے فقہ کو کیا سمجھیں۔

(۱۲) لامذہب کو شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام خوش اخلاق ہو لیکن فقہ کے اس مسئلہ کے خلاف اس نے نہ کوئی آیت پیش کی نہ حدیث کہ امام بد اخلاق ہونا چاہیئے۔ اگر ہو تو لائیے۔

(۱۳) فقہاء کا کہنا ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازیں قبول فرمائیں تو اپنا امام نیک لوگوں کو بناؤ (رواہ ابن عساکر) اور فرمایا کہ نیکی خوش اخلاقی کا نام ہے (احیاء العلوم)

تو فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا۔

(۱۴) نیز بہت سی احادیث میں آتا ہے کہ نماز با جماعت میں جتنی تعداد زیادہ ہو گی اتنا ثواب زیادہ ہو گا۔ تو اگر امام خوش اخلاق ہو گا تو جماعت کی تعداد زیادہ ہو گی اور باعث اجر عظیم ہو گا اور اگر امام بد اخلاق ہو گا تو جماعت ٹوٹ جائے گی۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ...﴾ اے پیغمبر آپ ترشی سے پیش آتے تو لوگ آپ سے کٹ جاتے پس قیام جماعت کے لئے امام کا خوش اخلاق ہونا ضروری ہوا۔

(۱۵) لامذہب کو یہ شکایت ہے کہ فقہا نے یہ کیوں لکھا ہے کہ امام خوبصورت چہرے والا ہونا ضروری ہے اگر لامذہب صحیح حدیث پیش کرتے تو ہم تسلیم کر لیتے کہ واقعی فقہ کا یہ مسئلہ حدیث صحیح صریح غیر معارض کے خلاف ہے۔

(۱۶) لامذہبوں کو یہ بھی علم نہیں کہ بیہقی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا ثم احسن وجھا پھر امام اس کو بناؤ جو خوب صورت چہرے والا ہو۔ اور یہ ضعیف حدیث کسی صحیح حدیث کے خلاف نہیں۔

(۱۷) لامذہب نے یہ بھی نہیں بتایا کہ چہرے کے خوبصورت ہونے سے فقہاء کا کیا مطلب ہے ان کا کہنا ہے کہ خوبصورت چہرے والے سے مراد زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے اور یہ بات بھی ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مَنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے اس کا چہرہ حسین و خوب صورت ہو جاتا ہے۔ (شامی)

(۱۸) لامذہب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام شریف النسب ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے خلاف بھی لامذہب کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا کہ امام اسے بناؤ جس کی سات پشتیں بازار حسن کی زینت ہوں۔

(۱۹) اس لامذہب کو یہ بھی علم نہیں کہ حدیث پاک میں ہے اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ

كَمَعَاوِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَخِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا (بخاری) یعنی لوگ سونے چاندی کی کان کی مانند ہیں جو جاہلیت میں نیک تھے وہ اسلام میں بھی نیک ہیں جب کہ فقیہ بھی ہوں۔ یعنی فقہ کے ساتھ اگر شرافت نسب مل جائے تو سونے پر سہاگہ ہے اور یہی کچھ فقہاء فرمارہے ہیں۔

(۲۰) لامذہب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرمایا کہ بہتر ہے کہ امام اچھی آواز والا ہو۔ لیکن اس کے خلاف بھی یہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کرسکا کہ امام مسجد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ کا ہی مصداق ہو۔ اگر ہے تو پیش کرے۔

(۲۱) لامذہب کو یہ بھی علم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ بِاَنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حَسَنًا رواه الحاكم وقال صحيح یعنی قرآن پاک کو خوش آوازی سے مزین کرو بے شک خوش آوازی قرآن پاک کے حسن کو چار چاند لگادیتی ہے دیکھئے فقہاء کا بیان کردہ مسئلہ تو حدیث پاک سے ثابت ہوگیا۔

(۲۲) لامذہب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرمادیا کہ بہتر ہے کہ امام وہ ہو جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ اس کا فرض تھا کہ اس مسئلہ کا غلط ہونا کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت کرتا کہ امام اس کو بنانا چاہئے کہ جس کی بیوی نہایت بدصورت اور بدسیرت ہو۔

(۲۳) لامذہب اس مسئلہ کو بہت اچھالا کرتے ہیں۔ لیکن اگر واقعی وہ اس مسئلہ کو غلط سمجھتے ہیں تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ جس لامذہب امام کے نکاح میں خوبصورت بیوی ہو وہ فوراً اسے طلاق دے کیونکہ وہ احناف کا حصہ ہے فقہ کا بغض بھی ثابت ہو اور حق بحق دار رسید پر بھی عمل ہو جائے۔

(۲۴) آنحضرت ﷺ نکاح کو نصف ایمان فرماتے ہیں اور خوبصورت بیوی کو

جنت کا خزانہ، اسی لئے فقہاء نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر امام کی بیوی خوبصورت ہو گی تو غالب یہی ہے کہ وہ اسی سے محبت کرے گا اور اپنے دل کو ناجائز تعلقات سے پاک رکھے گا اور وہ نیک اور خوبصورت بیوی نیکی اور پرہیزگاری میں اس کو مددگار ثابت ہو گی اور یہ بات کہ امام کی بیوی کیسی ہے اور امام کا تعلق اس کے ساتھ کیسا ہے۔ ہمسایہ اور رشتہ دار لوگوں کو اپنی عورتوں کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ہر شخص اپنی بیوی کے حسن کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ (شامی)

(۲۵) لامذہب کو چاہیئے تھا کہ وہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیتا اس کے مذہب میں لکھا ہے کہ ''بہتر عورت وہ ہے جس کی فرج تنگ ہو جو شہوت کے مارے دانت رگڑ رہی ہو اور جو جماع کراتے وقت کروٹ سے لیٹتی ہو (لغات الحدیث پ ۵ ص ۵۶ الحارقہ) اور ذرا اپنی تہذیب بھی ملاحظہ فرمائیں نواب وحید الزمان ہی لکھتے ہیں ''اور عورتوں کی گانڈوں میں جماع کرنا قرآنی حکم ہے (لغات الحدیث) شاید اسی لئے آپ نے عورت کو مادرزاد ننگی ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ (بدور الاہلہ) تاکہ بہتر عورت کی شناخت میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ تف ہے ایسے مذہب پر۔

(۲۶) لامذہب کو اس سے بھی شکایت ہے کہ فقہا نے یہ کیوں لکھا کہ بہتر ہے کہ امام مالدار اور مرتبے والا ہو۔ لیکن اس کے خلاف بھی وہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا کہ امام ضرور پرلے درجہ کا مفلس اور قلاش ہونے کے ساتھ ساتھ بدنام زمانہ بھی ہو۔ حالانکہ اس کا فرض تھا کہ قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کا غلط ہونا ثابت کرتا۔ لیکن وہ نہ قرآن جانتے ہیں نہ حدیث۔

(۲۷) فقہاء کا فرمان ہے کہ کثرت مال جب دین کے ساتھ جمع ہو تو اس سے قناعت اور عفت آتی ہے اور کثرت جاہ تکثیر جماعت کا باعث ہوتی ہے اور جماعت کا بڑا ہونا ہی اصل مقصد ہے تو جب یہ دونوں چیزیں اصل مقصد کے لئے ممد و معاون ہوں گی تو ان کے مطلوب ہونے میں کون عقلمند شبہ کرے گا۔

(۲۸) لا مذہب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرمایا ہے کہ امام کے لئے بہتر ہے کہ اس کے کپڑے اور لباس اچھا ہو مگر اس کے خلاف بھی وہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا۔

(۲۹) فقہاء لکھتے ہیں کہ امام اگر میلے کچیلے کپڑوں میں رہے گا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور جماعت کی کمی یا تفرقہ کا اندیشہ ہے اور حدیث پاک میں بھی آتا ہے اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَال (مسلم) کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں۔ اور جمال کو پسند فرماتے ہیں اور اچھا لباس انسان کے جمال کو مزید اجاگر کر دیتا ہے۔

(۳۰) اس کے اپنے مذہب کا مسئلہ یہ ہے کہ ہر کہ در جامہ ناپاک نماز گزارد نمازش صحیح باشد (عرف الجادی ص ۲۱) یعنی جو (مرد یا عورت) ناپاک کپڑوں میں (جو پیشاب پاخانے منی اور خون سے لت پت ہوں) نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے" بلکہ یہ مذہب تو کپڑوں کا بوجھ ویسے ہی پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

(۳۱) ہر کہ در نماز عورتش نمایاں شد نمازش صحیح باشد (عرف الجادی ص ۲۱) یعنی جس (مرد یا عورت) کی شرمگاہ (ساری) نماز میں بھی ننگی رہے اس کی نماز صحیح ہے۔ کیوں نہ ہو ابوجہل اور اس کی بیوی ننگے ہو کر خانہ کعبے کا طواف کر لیا کرتے تھے۔ یہ ابوحنیفہ کو چھوڑ کر ابوجہل کی تقلید پر چلنے لگے ہیں۔

میرے دل سے گیا پالا ستم گر سے پڑا
مل گئی او غیرے تجھے کفرانِ نعمت کی سزا

(۳۲) لا مذہب کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام کا جسم بھی متناسب ہونا بہتر ہے کیونکہ اعضاء جسم کا متناسب ہونا کمال عقل کی دلیل ہے۔ اس لئے امام کا سر بڑا ہو اور باقی اعضاء تناسب کے ساتھ چھوٹے ہوں کیونکہ داناؤں کا قول ہے "سر وڈے سرداراں دے تے وڈے پیر گنواراں دے۔ اس کے خلاف بھی کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا کہ امام بے عقل ہونا چاہیئے۔ حالانکہ

امام جتنا عقل مند ہوگا وہ مسلمانوں کی جماعت کی مضبوطی کا باعث ہوگا۔

(۳۳) اس لامذہب نے یہ مسئلہ لکھتے وقت یہ بھی خیانت کی کہ اس جملے ''سر بڑا اور عضو چھوٹے'' کا جو معنی خود فقہاء نے بیان کیا ہے یعنی کامل عقل والا ہو وہ بیان ہی نہیں کیا جو خالص مغالطہ اور فریب ہے۔

(۳۴) بعض لامذہب تو فقہاء کے اس بیان کئے ہوئے مطلب کو چھپانے کے ساتھ ساتھ اس کا نہایت غلط مطلب بیان کر کے عوام میں اشتعال پیدا کیا کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام وہ ہو جس کا ذکر چھوٹا ہو حالانکہ فقہاء نے صاف اس کی تردید کی ہے کہ اس مطلب کا تو ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔ جو جملہ تردید کے لئے نقل کیا گیا ہو۔ اس کو فقہ کی طرف منسوب کرنا ایسا ہی فریب ہے جیسے قرآن پاک میں عیسائیوں کی تردید کی گئی ہے۔ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ...﴾ وہ لوگ کافر ہیں جو مسیح بن مریم کو خدا مانتے ہیں اب کوئی عیسائی تردید نقل نہ کرے اور کہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ...﴾ بے شک مریم کا بیٹا مسیح خدا ہے تو ایسے فریب کی کوئی حد ہے۔

(۳۵) اسی طرح مقیم کو مسافر، پر آزاد کو غلام پر وضو کو تیمم پر بہت سے احکام میں فضیلت حاصل ہے تو امام میں ان فضائل کا حصول مطلوب ہے ان کے خلاف بھی یہ لامذہب احادیث صحیحہ صریحہ غیر معارضہ پیش نہیں کر سکا۔

(۱۰) نماز کا اول وقت

حکیم صاحب سبیل الرسول ص ۲۴۴ پر نقل کرتے ہیں۔

پیغمبر رحمت کا ارشاد

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اَمَّنِی جِبْرَائِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاکِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ

كُلِّ شَيْئٍ مِثْلَهُ.
(ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ امامت کی جبرائیل نے میری بیت اللہ میں اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ جب سورج ڈھل گیا اور اس کا سایہ بقدر ایک تسمہ کے ظاہر ہو گیا اور نماز عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا تو یہ نماز عصر کا اول وقت اور نماز ظہر کا آخر وقت ہے یعنی ظہر ختم اور عصر شروع ہے۔ لیکن حنفی مذہب اس کے برعکس حکم دیتا ہے وہ کہتا ہے۔

فقہ کا اختلاف

واخر وقتها عند ابی حنيفة اذاصار ظل كل شیء مثليه واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر . (ہدایہ جلد اول باب المواقیت)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آخری وقت ظہر کا اور اول وقت عصر کا وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دگنا ہو جائے۔

جواب

یہ کوئی نیا اعتراض نہیں اس سے پہلے بھی غیر مقلدین کرتے رہے اور احناف کی طرف سے اس کے مفصل اور مدلل جوابات بھی شائع ہوتے رہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی (وکیل اہلحدیث) نے بھی اپنے اشتہار میں یہ مسئلہ ذکر کیا تھا اور اس کا جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی نے ادلہ کاملہ ص ۲ میں دیا تھا۔ ہم یہاں پر اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں تا کہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

ظہر کا اول وقت بالاتفاق زوال سے شروع ہوتا ہے اور استواء شمس کے وقت ہر چیز کا جو سایہ ہوتا ہے وہ فَیِٔ زوال (اصلی سایہ) کہلاتا ہے اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ

ہے کہ ہموار زمین میں کوئی سیدھی لکڑی یا کیل گاڑ دی جائے۔ زوال سے پہلے اس کا جو سایہ ہوگا وہ تدریجاً گھٹتا رہے گا پھر یا تو بالکل ختم ہو جائے گا یا کچھ باقی رہے گا اور گھٹنا بند ہو جائے گا۔ (خط استواء سے قرب و بعد کی وجہ سے فیٔ زوال مختلف ہوتا ہے) یہی باقی ماندہ سایہ فیٔ زوال (اصلی سایہ) ہے پھر وہ دوسری جانب بڑھنا شروع ہوگا۔ جوں ہی بڑھنا شروع ہو سمجھ لینا چاہئے کہ زوال شمس ہو گیا، اور ظہر کا وقت شروع ہو گیا۔ اور ظہر کا وقت کب تک باقی رہتا ہے اور عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے، جب ہر چیز کا سایہ فیٔ زوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے۔ اصطلاح میں اس کو ایک مثل (مانند) کہتے ہیں اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے دونوں وقتوں کے درمیان مشہور قول کے مطابق نہ تو کوئی حد فاصل ہے نہ وقت مشترک۔

اور امام اعظمؒ سے اس سلسلہ میں چار روایتیں منقول ہیں۔

(۱) ظاہر روایت میں ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے، اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے علامہ کاسانیؒ نے (**بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۲۲**) میں لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر روایت میں صراحۃً مذکور نہیں ہے امام محمدؒ نے صرف یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عصر کا وقت دو مثل کے بعد (یعنی تیسرے مثل سے) شروع ہوتا ہے، ظہر کا وقت کب ختم ہوتا ہے اس کی تصریح امام محمدؒ نے نہیں کی ہے۔

(۲) امام اعظمؒ کا دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا ہے، امام طحاویؒ نے اس کو اختیار کیا ہے اور صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ آج کل لوگوں کا عمل اسی پر ہے اور اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور سید احمد دُحلان شافعیؒ نے **خِزَانَةُ الْمُفْتِيِن** اور فتاویٰ ظہیریہ سے امام صاحب کا اس قول کی طرف رجوع نقل کیا ہے۔ (**فیض الباری ج ۲، ص ۹۵**) مگر ہماری کتابوں میں یہ رجوع ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس قول کو حسن بن

زیادلؤلؤی کی روایت قرار دیا گیا ہے اور سرخسی نے مبسوط میں اس کو بروایت امام محمدؒ ذکر کیا ہے، اور صاحب درمختار نے جو اس قول کو مفتی بہ کہا ہے اس کو علامہ شامی نے رد کیا ہے۔

(۳) امام اعظمؒ سے تیسری روایت یہ ہے کہ مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوسرا مثل نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا، یہ اسد بن عمرو کی روایت ہے امام اعظم رحمہ اللہ سے۔

(۴) اور چوتھا قول عمدۃ القاری شرح بخاری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سے کچھ پہلے ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ امام کرخیؒ نے اس قول کی تصحیح کی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۹۵)

ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی تھی اور عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی، اور دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی یعنی ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی تھی، (لوقت العصر بالامس) اور عصر کی نماز دو مثل پر پڑھائی تھی [1]

روایت کا مفاد

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور عصر کا شروع ہوتا ہے، اور دونوں وقتوں کے درمیان نہ تو کوئی مہمل وقت ہے، نہ مشترک، اس روایت کو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے لیا ہے، البتہ امام مالک علیہ الرحمۃ مثل اول کے آخر میں مقیم کے لئے چار رکعت کے بقدر، اور مسافر کے لئے دو رکعت کے بقدر مشترک وقت مانتے ہیں یعنی اس میں ظہر کی نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے، اور عصر کی نماز بھی، کیونکہ حضرت

۱ یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، ابوداؤد، ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت مروی ہے اس میں لوقت العصر بالامس کا لفظ ہے، یہ روایت ترمذی ونسائی میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے اور ابن راہویہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو مسعودؓ سے بھی روایت کی ہے نیز یہ روایت صحیحین میں بھی ہے مگر ان میں اوقات صلوۃ کی اس میں تفصیل نہیں ہے، نیز اس روایت کو بزار رحمہ اللہ نے بھی اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت عمرو بن حزمؓ سے روایت کیا ہے (کمافی نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۲۱)

جبرئیلؑ نے پہلے دن جس وقت عصر کی نماز پڑھائی ٹھیک اسی وقت میں دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی تھی علامہ دردیر کی شرح صغیر میں ہے۔

واشترکت الظهر والعصر فی اخر القامة بقدر اربع رکعات، فیکون اخروقت الظهر، واول وقت العصر

ظہر اور عصر شریک ہیں مثل اول کے آخر میں چار رکعت کے بقدر (شرح صاوی میں ہے کہ یہ حالت حضر میں ہے اور حالت سفر میں دو رکعت کے بقدر ہے) لہٰذا مثل اول کا آخر ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول (ابتدائی) وقت ہے۔

(بلغۃ السالک ج۱ ص۸۳)

مگر ابن حبیب مالکی اشتراک کے قائل نہیں ہیں اور ابن العربی مالکی تو فرماتے ہیں کہ:

تالله مابینهما اشتراک ولقد زلّت فیه اقدام العلماء (حوالہ سابق)

خدا کی قسم دونوں وقتوں کے درمیان مشترک وقت نہیں ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء (مالکیہ) کے پیر پھسل گئے ہیں۔

اور جمہور "لوقت العصر بالامس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ بات راوی نے تقارب زمانین کی وجہ سے کہی ہے ورنہ حقیقت میں پہلے دن جس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی دوسرے دن اس سے ذرا پہلے ظہر کی نماز پوری کر دی تھی، دونوں دن دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں نہیں پڑھی تھیں۔ کیونکہ آیت کریمہ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) اسے یہ بات واضح ہے کہ ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے اشتراک نہیں ہے۔

دوسری روایت

یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے نماز کے اوقات دریافت کئے آپؐ نے اس شخص کو ٹھہرایا، اور دو دن نماز پڑھا کر عملی طور پر اوقات نماز کی تعلیم دی، اس روایت میں ہے کہ پہلے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سفید اور بلند تھا۔ اور دوسرے دن ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج آخر وقت میں پہنچ گیا تھا۔ (مسلم شریف ج۱ص ۲۲۳)

یہ روایت مسلم شریف میں حضرت بریدہؓ سے مروی ہے اور مسلم شریف ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، پھر ظہر کا وقت باقی رہتا ہے عصر کا وقت آنے تک، اور عصر کا وقت باقی رہتا ہے سورج کے زرد ہونے تک۔ (مسلم شریف ج۱ص ۲۲۳)

روایت کا مفاد

اس روایت سے اوقات صلوٰۃ کی کوئی واضح حد بندی نہیں ہوتی البتہ اس میں یہ جملہ ہے کہ دوسرے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی، اس سے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ شاید مثل ثانی میں پڑھائی ہو۔ کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ مثل اول کے ختم تک موسم ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے جو الفاظ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہیں کہ ،، ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے، اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے'' اس سے تو یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ مثل ثانی بھی ظہر کا وقت ہے۔

تیسری روایت

حضرت عمرؓ کا گشتی فرمان ہے جو آپ نے اپنے گورنروں کے نام جاری کیا

تھا اس میں آپ نے لکھا تھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب سایہ ایک ہاتھ ہو جائے یہاں تک کہ وہ سایہ ایک مثل ہو جائے، اور عصر کی نماز پڑھو درآں حالیکہ سورج بلند، چمکدار اور صاف ہو، اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سوار دو یا تین فرسخ کا سفر کر سکے۔

(موطا امام مالک ص ۱۲)

روایت کا مفاد

یہ روایت بھی اس باب میں صریح نہیں ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، بظاہر روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مستحب اوقات کا بیان ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم اس وقت دیا ہے کہ سایہ ایک ہاتھ ہو جائے، حالانکہ ظہر کا وقت زوال ہی سے شروع ہو جاتا ہے، نیز عصر جس وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے وہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ لوگوں کو مستحب اوقات کی تعلیم دی ہے، حقیقی اوقات نہیں بتائے۔

چوتھی روایت

حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے ایک شخص نے آپؓ سے نماز کے اوقات پوچھے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔

انا اخبرک! صَلِّ الظُّهرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ، وَالعَصرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيكَ الخ [۱]

سن میں تجھے بتاتا ہوں! ظہر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے دو مثل ہو جائے۔

روایت کا مفاد

یہ روایت صریح ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی باقی رہتا ہے کیونکہ

---

[۱] یہ روایت موطا مالک ص ۳ اور موطا محمد ص ۴۲ میں ہے، یہ دونوں کتابیں درحقیقت ایک ہی ہیں یحیی بن یحیی جمودی کی روایت موطا مالک کے نام سے مشہور ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی کی روایت موطا محمد کے نام سے مشہور ہے

جب ظہر کو ایک مثل پر پڑھنے کا حکم دیا، اور عصر کو دو مثل پر تو اب مثل ثانی عصر کا وقت تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ ظہر ہی کا وقت ہوگا۔ یہ اگرچہ ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے مگر چونکہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہے اس لئے اس کو لامحالہ حکماً مرفوع ماننا ہوگا۔

پانچویں روایت

حضرت ابوذر غفاریؓ کی ہے جو صحیحین میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے جب ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو'' کچھ دیر بعد پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو'' حتّٰی رَاَینَا فَیئَ التَّلُولِ (یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) پھر حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔ لہذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے کتاب الاذان میں بھی ذکر کیا ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ حتیٰ ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ سایہ طول میں ٹیلوں کے برابر ہوگیا)

روایت کا مفاد

اس روایت سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سفر میں ظہر کی نماز بالیقین مثل ثانی میں بلکہ مثل ثانی کے بھی آخر میں پڑھی ہے، کیونکہ ٹیلوں کے سایہ کا ظاہر ہونا بلکہ ٹیلوں کے سایہ کا طول میں ٹیلوں کے برابر ہونا مثل اول میں ممکن ہی نہیں ہے جس کو تردد ہو وہ مشاہدہ کر کے اپنا شک دور کر سکتا ہے۔

چھٹی روایت

بخاری شریف کی ہے، جو مشکوۃ شریف کے بالکل آخری باب باب ثواب ھذہ الامۃ کے بالکل شروع میں ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی

امت کی مدت عمر اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمر مثال سے سمجھائی ہے کہ

''ایک شخص نے صبح سے دو پہر تک ایک ایک قیراط طے کر کے مزدور رکھے اور دو پہر میں ان کو ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا، پھر دو پہر سے عصر تک کے لئے ایک ایک قیراط طے کر کے دوسرے مزدور رکھے۔ عصر کے وقت ان کو بھی ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا۔ پھر عصر سے غروب آفتاب تک کے لئے اور مزدور رکھے اور ان کی اجرت دو دو قیراط طے کی، جب انہوں نے کام پورا کیا تو ان کو ان کی ڈبل اجرت دی گئی۔

یہ مثال بیان کر کے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ وہ مزدور ہو جنہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا ہے لہٰذا تمہیں ڈبل مزدوری ملے گی، اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے تمہارا کچھ حق مارا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا تو میں اپنی مہربانی جس پر چاہوں کروں!''

روایت کا مفاد

اس روایت کے اشارہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے، کیونکہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مدت عمل کم ہے اور یہود و نصاری کی مدت عمل زیادہ ہے، یہود کی مدت عمل کا زیادہ ہونا تو بدیہی ہے، کیونکہ وہ صبح سے دو پہر تک ہے، اسی طرح نصاریٰ کی مدت عمل امت محمدیہ کی مدت عمل سے بدیہی طور پر زیادہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب عصر کا وقت مثل ثالث سے شروع ہو اور مثل ثانی کے ختم تک ظہر کا وقت رہے، اگر ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک مانا جائے تو نصاریٰ اور امت محمدیہ دونوں کی مدت عمل میں کوئی واضح تفاوت نہیں رہتا۔

الغرض یہ روایت اگر عقل سلیم ہو تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے۔

امام اعظم کی مختلف روایات کے سلسلہ میں احناف کے مختلف نقطہ ہائے نظر

بحث کے شروع میں امام اعظمؒ کی چار روایتیں بیان کی گئی ہیں

(۱) ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثالث کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے.......... یہ ظاہر روایت ہے۔

(۲) ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثانی کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے...... یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔

(۳) مثل ثانی پورا مہمل وقت ہے۔

(۴) مثل ثانی کے آخر میں تھوڑا وقت مہمل ہے.......... امام اعظمؒ کی ان مختلف روایتوں کے سلسلہ میں احناف کے تین نقطہ ہائے نظر ہیں۔

پہلا نقطۂ نظر

یہ ہے کہ یہ تمام روایات باہم متعارض ہیں لہٰذا غور کر کے آخری روایت متعین کی جائے، اور مقدم روایات کو منسوخ قرار دیا جائے، صاحب خزانة المفتیین اور صاحب فتاویٰ ظہیریہؒ نے یہی صورت اختیار کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے دوسرے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع کرنا نقل کیا ہے، اور اس کو آخری قول قرار دیا ہے......... مگر کتب مذہب میں یہ رجوع معروف نہیں ہے، اس لئے عام طور پر یہ نقطہ نظر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دوسرا نقطۂ نظر

یہ ہے کہ موافقت جمہور یا قوت دلیل کی بناء پر کسی ایک قول کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ امام طحاویؒ اور صاحب درمختار نے موافقت جمہور کے پیش نظر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے، اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور

شارح منیۃ علامہ ابراہیم حلبیؒ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ، اور مفتیان دارالعلوم دیوبند نے قوت دلیل کی بناء پر پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ جو ظاہر روایت ہے، علامہ شامیؒ صاحب درمختار پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

''صاحب درمختار نے جو فرمایا ہے کہ'' امام اعظم کی دوسری روایت اظہر ہے۔ حدیث جبرائیل کی وجہ سے اور حدیث جبرائیل اس مسئلہ میں نص ہے'' یہ فرمانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام اعظمؒ کے قول کے کافی دلائل موجود ہیں۔ اور امام اعظم کی دلیل کی کمزوری ظاہر نہیں ہوئی ہے، بلکہ امام صاحب کے دلائل قوی ہیں جیسا کہ مطولات اور شرح منیہ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے، اور علامہ ابن نجیم مصری نے البحرالرائق میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین کا قول، یا ان میں سے کسی ایک کا قول کسی ضرورت ہی کی وجہ سے اختیار کیا جاسکتا ہے، مثلاً امام صاحب کی دلیل کمزور ہو یا تعامل امام صاحب کے قول کے خلاف ہو جیسے مزارعت کا مسئلہ، محض مشائخ کے یہ کہہ دینے سے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے امام صاحب کا قول نہیں چھوڑا جاسکتا'' (شامی ج۱ص۲۶۴)

تیسرا نقطۂ نظر

یہ ہے کہ امام صاحب کے اقوال میں تطبیق دی جائے، اور یوں کہا جائے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک تو بالیقین رہتا ہے، اور مثل ثانی کے ختم تک رہنے کا احتمال ہے اور عصر کا وقت مثل ثالث سے بالیقین شروع ہوتا ہے، مگر مثل ثانی سے شروع ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ ایک مثل ختم ہونے سے پہلے ظہر کی نماز نہ پڑھ سکے تو پھر مثل ثانی میں پڑھ لے، اس سے تاخیر نہ کرے، اور اس کو ادا کہا جائے گا، قضا نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر کسی مجبوری میں جیسا کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے تو اس کو بھی صحیح کہا جائے گا یعنی ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ظہر اور عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت

کے منشاء کے خلاف ہے، شریعت کا منشاء یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فصل ہونا چاہیئے اور یہ فصل عام حالات میں کم از کم ایک مثل کے بقدر ہونا چاہیئے، اور مخصوص حالات میں اس سے کم بھی ہوسکتا ہے......... اور وقت مہمل سے امام صاحب کی مراد یہی عملی اہمال ہے یعنی دونوں نمازوں کے درمیان فصل کرنا۔

حضرت قدس سرہٗ کا نقطہ نظر غالباً یہی ہے، چنانچہ ایضاح الادلۃ میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ

"وقت مابین المثلین (یعنی مثل ثانی کو بوجہ تعارض روایات نہ بالیقین وقت ظہر میں داخل کر سکتے ہیں، نہ وقت عصر میں......... یا یوں کہیئے کہ ایک وجہ سے ظہر میں داخل ہے تو دوسرے طور سے عصر میں، تو اب بوجہ احتیاط حضرت امام صاحبؒ نے ظاہر الروایت میں وقت مذکور (مثل ثانی) وقت ظہر میں شامل کر دیا، تا کہ کوئی صلوٰۃ عصر وقت مذکور (مثل ثانی) میں ادا کر کے ادائے صلوٰۃ قبل الوقت کے احتمال میں نہ پڑ جائے، اور وقت یقینی کو ترک کر کے وقت محتمل میں صلوٰۃ عصر کو ادا نہ کرے۔

رہی صلوٰۃ ظہر، اس کا وقت یقینی گو ایک مثل تک ہے، لیکن اگر کسی ضرورت یا غفلت کی وجہ سے کسی کو صلوٰۃ مذکور (ظہر کی نماز) وقت یقینی میں ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو اب یہی چاہیئے کہ مابین المثلین (مثل ثانی) ہی میں اس کو ادا کر لے، کیونکہ یہ وقت گو وقت محتمل ہے تاہم اور اوقات سے تو عمدہ ہے، یہاں احتمال ادا تو ہے اور اوقات میں تو یہ بھی نہیں بلکہ بالیقین قضاء محض ہے۔

بالجملہ مطلب ظاہر الروایت یہ ہے کہ وقت مابین المثلین کا بوجہ معروضہ (مذکورہ وجہ کی بناء پر) وقت ظہر میں شمار کرنا مناسب ہے، کیونکہ وقت عصر میں داخل کرنے سے ادا صلوٰۃ قبل الوقت کا احتمال باقی ہے......... یہ مطلب نہیں کہ وقت مذکور (مثل ثانی) بالیقین وقت ظہر میں داخل ہے اور جیسا بقاء ظہر ایک مثل تک یقینی ہے بعینہ ایسا ہی مثلین تک وقت ظہر باقی رہتا ہے، بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تلک ہے،

اور ابتداء عصر بالیقین مثلین سے ہوتا ہے، اور درمیان کا وقت بوجہ روایات مختلفہ دونوں امر کا محتمل ہے" (ص ۱۵۵ تا ص ۱۵۶ فخریہ)

حضرت قدس سرہٗ نے یہ نقطہ نظر دو وجہ سے اپنایا ہے، ایک اس وجہ سے کہ مثلین تک وقت ظہر کے باقی رہنے کی کوئی صریح روایت نہیں ہے، اس لئے احتمال ہے کہ مثل ثانی عصر کا وقت ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امامت جبرئیل والی حدیث کی تاریخ معلوم ہے وہ اس وقت کی روایت ہے جب پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں یعنی اسلام کے بالکل دور اول کی روایت ہے اور باقی تمام روایتیں مابعد کی ہیں اس لئے احتمال ہے کہ مثل اور مثلین کے معاملہ میں نسخ ہوا، ہو، یعنی عصر کا وقت کٹ کر مثلین سے کر دیا گیا ہو اور ظہر کا وقت بڑھا کر مثلین تک کر دیا ہو، لہٰذا مثل ثانی میں شک پیدا ہو گیا کہ وہ عصر کا وقت رہا یا نہیں؟ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تاکہ بالیقین ذمہ فارغ ہو جائے اگر مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جائے گی تو آخری تین روایتوں کی بناء پر کھٹکا رہے گا کہ شاید نماز وقت سے پہلے پڑھی گئی ہو اور ذمہ فارغ نہ ہوا ہو۔

رہا ظہر کا معاملہ تو اگر وہ مثل اول میں ادا کی گئی ہے تب تو وہ بالیقین ادا ہو گئی، اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی ہے تب بھی ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ کیونکہ امامت جبرئیل والی حدیث کے پیش نظر اگر ظہر کی نماز ادا نہ ہو گی تو قضا ہو جائے گی۔ اور قضاء سے بھی ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

الغرض جمہور نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی بر احتیاط نہیں، اور ثانیاً ان کے مذہب کے مطابق آخری تین روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے اور امام اعظمؒ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا و اثابہ بما ھو اھلہ (امین)**

جمہور کے پاس بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے

جمہور کا مستدل یعنی امامت جبرئیل والی حدیث قطعی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال ہے، اور یہ احتمال بے دلیل نہیں ہے بلکہ آخری تین روایتوں کی بناء پر یہ احتمال پیدا ہوا ہے، دلیل کے قطعی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے جس سے دائما حضور اکرم ﷺ کا مثل ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا اور ایسی تصریحات جمہور کے پاس نہیں ہے۔

احناف کے دلائل

پہلی حدیث

عن عَبدِاللهِ بن رَافِعٍ مَولیٰ اُمِّ سَلَمَةَ زَوجِ النبی ﷺ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا هُرَیرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ وَقْتِ الصَّلوٰةِ فقال اَبُوهُرَیرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَا اُخبِرُکَ صَلِّ الظُّهرَ اِذَا کَانَ ظِلُّکَ مِثلَکَ وَالعَصرَ اِذَا کَانَ مِثلَیکَ.

ترجمہ: عبداللہ بن رافع جو آنحضرت ﷺ کی بی بی ام سلمہؓ کے مولیٰ ہیں انہوں نے ابو ہریرہؓ سے نماز کا وقت پوچھا، کہا ابو ہریرہؓ نے میں بتاؤں تجھ کو نماز پڑھ ظہر کی جب سایہ تیرا تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی جب سایہ تیرا تجھ سے دونا ہو۔

(موطا امام مالک مترجم علامہؒ وحید الزماں غیر مقلد ص ۲۱۔۲۰)

دوسری حدیث

عن عبداللہ بن رافع مولی ام سلمة زوج النبی ﷺ عن ابی هریرة انه ساله عن وقت الصلوٰة فقال

ابوهريرة انا اخبرک صل الظهر اذا كان ظلک مثلک والعصر اذا كان ظلک مثليک

ترجمہ: عبداللہ بن رافع جو حضور اکرم ﷺ کی زوجہ ام سلمۃؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا۔ تو حضرت ابو ہریرۃؓ نے کہا۔ میں تمہیں بتلاتا ہوں۔ ظہر کی نماز ادا کرو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو جائے اور نماز عصر جب تمہارا سایہ تم سے دوگنا ہو جائے۔

(موطا امام محمد ص۔۴۱۔۴۲)

تیسری حدیث

(۱) عن ام سلمهؓ قالت كان رسول الله ﷺ اَشَدُّ تَعْجِيلاً لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِيلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ.

(ترمذی ص ۵۱ مسند احمد ص ۲۸۹ ج ۶)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو ظہر کی نماز تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز کو آنحضرت ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو۔

(۲) عن رَافِعِ بِنْ خَدِيْجٍ اَنَّ رَسُوْل الله ﷺ كَانَ يَاْ مُرُ هُمْ بِتَاْخِيْرِ الْعَصْرِ.

(بیہقی ص ۴۴۳ وحاشیہ الجوہر النقی ص ۴۴۱ ج ۱)

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو حکم دیتے تھے وہ عصر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھیں۔

(۳) عَنِ الاَعْمَشِ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ عَبْدِاللهِ بن مسعود يُعَجِّلُوْنَ الظُّهْرَ وَيُؤَخِّرُوْنَ الْعَصْرَ.

(مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۴۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھی اور شاگرد ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔

عن ابی ھریرۃؓ اَنَّهٗ کَانَ یُؤَخِّرُ الْعَصْرَ حَتّٰی اَقُوْلَ قَدْ اِصْفَرَّتِ الشَّمْسُ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۲۷)

سوار بن شبیبؒ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ عصر کو اتنا مؤخر کر کے پڑھتے تھے کہ میں یہ خیال کرتا تھا شاید سورج زرد ہو گیا ہے۔

(۴) عن عَلِی بن شَیْبَانؓ قَالَ قَدِمْنَا عَلٰی رسول اللہ ﷺ اَلْمَدِیْنَةَ فَکَانَ یُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَادَامَتِ الشَّمْسُ بَیْضَآءَ نَقِیَّةً. (ابوداؤد ص ۵۹، ج ا، ابن ماجہ ص ۴۸)

علی بن شیبانؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے جب تک سورج سفید اور صاف ہوتا ہے (زرد ہونے سے پہلے)

(۵) عن ابراھیم قَالَ کَانَ مَنْ قَبْلَکُمْ اَشَدُّ تَعْجِیْلاً لِلظُّھْرِ وَاَشَدُّ تَاخِیْرًا لِلْعَصْرِ مِنْکُمْ.

(مصنف عبدالرزاق ج ا ص ۵۴۰)

حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں تم سے پہلے لوگ ظہر کی نماز کو تمہاری نسبت جلدی پڑھتے اور عصر کی نماز کو تم سے زیادہ مؤخر کرتے تھے۔

حدیث جبرائیلؑ۔ حکیم صاحب نے ص ۲۴۴ پر یہ حدیث نقل کی ہے مگر حدیث نقل کرنے میں کئی خیانتیں کی ہیں۔

(۱) حدیث آدھی نقل کی ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن الحارث ضعیف ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۵۴) مگر حکیم صاحب نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

(۳) متن حدیث میں مرّتَینِ کے الفاظ موجود تھے اور خود حکیم صاحب نے نقل بھی کئے ہیں مگر ان کا ترجمہ قصداً نہیں کیا۔ ترجمہ اس لئے (دو مرتبہ) نہیں کیا کہ جب عوام کو اس بات کا علم ہوگا کہ جبرائیل علیہ السلام نے دو مرتبہ نماز پڑھائی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے دن کا ذکر تو حکیم صاحب نے نقل کر دیا مگر دوسرے دن کا ذکر نہ کیا کیونکہ وہ ان کے مسلک کے خلاف تھا اس میں عصر کی نماز کا وقت مِثْلَین پر ہے۔

(۴) اور حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ بَیْنَ هٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ

ترجمہ: پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا اے محمدؐ، یہ آپ سے پہلے نبیوں کا وقت ہے اور وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

ہم نے اپنے دلائل میں حدیثیں نقل کر دی ہیں اگر کسی کو زیادہ تفصیل درکار ہو تو تنویر الحق مصنفہ نواب قطب الدین محدث دہلوی کا صفحہ ۴۳ تا ۵۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱) جمع بین الصلوٰتین

حکیم صادق نے یہ مسئلہ بھی فقہ کا حدیث کے خلاف بتایا ہے فقہ کا مسئلہ یہ لکھا ہے لا یجمع فرضان فی وقت بلاحج (شرح وقایہ) یعنی حج کے علاوہ دو فرض ایک وقت میں جمع کرنے جائز نہیں۔ دو فرضوں کو جمع کرنے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) جمع تقدیم:۔

ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔

(۲) جمع تاخیر:۔

عصر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور عشاء کے وقت مغرب اور عشاء کو اکٹھا

پڑھ لیا جائے۔ان دونوں صورتوں میں ایک ایک نماز ضرور بے وقت پڑھنی پڑتی ہے۔

(۳) جمع صوری

ظہر کی نماز ظہر کے آخر وقت میں اور عصر کی نماز اس کے اول وقت میں پڑھ لی جائے۔اسی طرح مغرب کی نماز آخر وقت میں غروب شفق سے پہلے اور عشاء کی نماز کو اول وقت میں غروب شفق کے فوراً بعد پڑھ لیا جائے اس صورت میں ہر ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی جاتی۔اس لئے اس کو جمع حقیقی نہیں جمع صوری کہتے ہیں۔یہ سفر میں بالاتفاق جائز ہے اور حکیم صاحب نے جو بخاری کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے اس سے یہی جمع مراد ہے۔فقہ کا مسئلہ تو خود بخاری مسلم کی حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔

عن عبداللہ بن مسعودؓ قَالَ مَارَأَیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صَلوٰۃَ اِلاّ لِمِیقَاتِہَا اِلاّ صَلوتَینِ صَلوٰۃَ الْمَغرِب وَالْعِشَاء بِجَمْعٍ وَصَلَّی الْفَجْرُ یَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِیقَاتِہَا (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے کبھی آنحضرتؐ کو بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا مگر دو نمازیں مغرب اور عشاء حج کے موقعہ پر اور اس دن آپؐ نے فجر کی نماز وقت (معتاد) سے پہلے ادا فرمائی۔

بالکل یہی مسئلہ فقہ کا ہے حکیم صاحب اور اس کے فرقہ شاذہ نے اس متفق علیہ حدیث کو ماننے سے انکار کر دیا ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الصَّلوٰۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ بے شک نماز مومنوں پر فرض ہے وقت پر۔جب نماز وقت پر فرض ہوتی ہے اور وقت سے پہلے فرض ہی نہیں ہوتی تو ادا کیسے ہوگی جیسے حج کا وقت مقرر ہے اب کوئی شخص دو ماہ پہلے شوال میں حج کر آئے تو اس کا حج ہرگز ادا نہ ہوگا۔اسی طرح رمضان شریف کے روزوں کا وقت مقرر ہے اب

کوئی شخص رمضان شریف کے آنے سے تین ماہ پہلے ہی روزے رکھ لے تو فرض ادا نہیں ہوگا۔ جمعہ کی نماز کا دن اور وقت مقرر ہے کوئی شخص بدھ کے دن ہی جمعہ کی نماز ادا کر لے تو نماز ادا نہیں ہوگی۔ جیسے موت سے پہلے جنازہ پڑھنا یا نکاح سے قبل اولاد کا ہونا غلط ہے ایسے ہی وقت آنے سے پہلے نماز پڑھنا غلط ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں۔ لیس فی جمع التقدیم حدیث قائم۔ وقت سے پہلے نماز جمع کرنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ لامذہبوں کا ظلم آیت قرآنی اور متفق علیہ حدیث کے خلاف مولوی ثناء اللہ امرتسری نے عبدالحفیظ نامی ایک ملازم کو اجازت دے دی کہ وہ عصر کی نماز (وقت ہونے سے پہلے) ظہر کے وقت میں پڑھ لیا کرے (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۱۵) اور سارے لامذہب خدا اور رسولؐ کے خلاف ثناء اللہ امرتسری کی اندھی تقلید کر رہے ہیں نہ خدا کی سنتے ہیں نہ رسول کی۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى...﴾ پابندی کرو نمازوں کی یعنی ان کے وقتوں میں پڑھو لیکن مولوی ثناء اللہ امرتسری نے عصر کے وقت فٹ بال کھیلنے والوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ وہ عصر کے وقت فٹ بال کھیل لیا کریں ہاں عصر کی نماز وقت ہونے سے پہلے ظہر کے وقت پڑھ لیا کریں (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۳۱ ملخصاً) کس طرح فٹ بال لہو ولعب کو فرض نماز سے بڑھایا جا رہا ہے اور پھر بھی دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے کسی نے خوب کہا ہے رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ یعنی پھر ہوئے ایسے ناخلف جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا (یعنی وقت سے بے وقت پڑھ کر) اور اپنی شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے۔ عنقریب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(۶) اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ تباہی اور بربادی ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے

غافل ہیں۔ پس جو شخص ظہر کا سارا وقت نماز سے غافل رہا اور اسے عصر کے وقت میں پڑھا یا مغرب کا سارا وقت غافل رہا نماز ادا نہ کی اور عشاء کے وقت میں اسے پڑھا وہ بھی اسی آیت کا مصداق ہے۔

(۷) لیکن یہ لامذہب وقت پر نماز پڑھنے کو بوجھ اور طوق قرار دے کر قرآن پاک سے غلط استدلال کر رہا ہے اور بالکل غیر متعلق آیت پیش کر کے سبیل یہود ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ...﴾ پر عمل کر رہا ہے دیکھو (سبیل الرسول ص ۲۴۷)

(۸) عَنْ اَبِی قَتَادَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ عَلٰى مَنْ لَمْ يُصَلِّ حَتّٰى يَجِيْئَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ الْاُخْرٰى. (مسلم)

حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں رسول اقدس ﷺ نے فرمایا نیند میں تفریط نہیں ہے تفریط تو یہ ہے کہ آدمی نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

(۹) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تفریط یہ ہے کہ تو نماز میں اتنی تاخیر کرے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ (طحاوی)

(۱۰) حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس کے ہم معنی روایت طحاوی نے صحیح سند سے روایت کی ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جو لوگ ظہر قضا کر کے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں یا مغرب قضا کر کے عشاء کے ساتھ پڑھے وہ گنہگار ہے۔ خلاصہ یہ کہ جمع کی پہلی صورتوں میں یا تو دو نمازوں کو قضا کرنا پڑتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے یا دو نمازوں کو وقت سے پہلے پڑھنا پڑتا ہے ایسے تو فرض ہی ادا نہیں ہوتا یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اسی لئے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ثقہ راویوں نے علاء بن الحارث سے انہوں نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ساری دنیا کو یہ لکھ بھیجا اور ان کو ایک وقت میں دو نمازوں کے جمع کرنے

سے منع فرمایا۔ اور لکھا کہ ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے (موطا امام محمد ص ۱۳۲) حضرت فاروق اعظمؓ کے اس حکم پر کسی نے انکار نہیں کیا گویا یہ مسئلہ امت میں اجماعی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن نواب وحید الزمان غیر مقلد لکھتا ہے کہ وہ نمازوں کو ایک وقت میں بلا عذر بھی جمع کر کے پڑھنا ہم اہل حدیثوں کی علامت ہے۔ سبحان اللہ اس مذہب کی علامت ہی کبیرہ گناہوں سے بنتی ہے۔

(۱۲) عورت اور مرد کی نماز میں امتیاز

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۴۸ تا ص ۲۵۰ پر فقہ اور حدیث میں تضاد ثابت کرنے کے لئے نمبر ۱۲ پر یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔

حدیث کا ارشاد

نماز کے متعلق حضرت انور ﷺ کا عام حکم ہے۔

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (بخاری شریف)

نماز پڑھو (اے عورتو، مردو) جس طرح میں پڑھتا ہوں

اس میں کوئی تفریق نہیں کہ مرد اس طرح پڑھے اور عورت اس طرح۔ بلکہ یہی حکم ہے کہ سب طریق رسولؐ پر پڑھیں۔

حضرت ابوحمید ساعدیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

كان النبی ﷺ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيْ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ۔ (مشکوٰۃ باب صفت الصلوٰۃ)

جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے مونڈھوں کے برابر۔

فقہ کا اختلاف

حضور انور ﷺ کا مذکورہ فعل سب کے لئے یعنی مردوں اور عورتوں کے

لئے مساوی ہے۔اب فقہ کی تقسیم دیکھئے۔

یَرْفَعُ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِإِبْهَامَیْهِ شَحْمَةَ اُذُنَیْهِ

مرد ہاتھ اٹھائیں اس طرح کہ انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔آگے لکھتے ہیں اب عورت کے متعلق سنیئے۔

وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ یَدَیْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَیْهَا۔ (ہدایہ)

اور عورت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے۔

الجواب:۔جواب سے قبل ایک بات تمہیداً سمجھ لیں تا کہ فہم مراد میں آسانی ہو۔

کتاب و سنت میں تمام جزئی مسائل تصریحاً نہیں ہوتے بعض تنصیصاً ہوتے ہیں اور بعض تعلیلاً۔

مثال: قرآن پاک میں ہے کہ حیض والی عورت کے بارہ میں سوال ہوا اس کا جواب تو اتنا ہی تھا کہ ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ...﴾ عورتوں سے دور رہو۔لیکن اللہ تعالیٰ نے جواب سے پہلے ایک علت بیان فرما دی۔﴿قُلْ هُوَ اَذًی...﴾ کہہ دیجئے وہ ناپاکی ہے۔اس میں ایک قاعدہ بتا دیا کہ حائضہ سے صحبت منع ہونے کی وجہ ناپاکی ہے۔اب اسی علت سے نفاس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کیونکہ ناپاکی کی علت وہاں بھی پائی گئی اور اسی علت کی بنا پر نفاس کے تمام مسائل کو حیض کے مسائل پر قیاس کر لیا گیا مثلاً نفاس والی مسجد میں داخل نہ ہو۔قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔قرآن پاک کی تلاوت نہ کرے نماز نہ پڑھے روزہ نہ رکھے مرد سے ہمبستر نہ ہو وغیرہ اگر آپ قیاس کو نہ مانیں تو نفاس والی عورت کے لئے قرآن پڑھنے۔نماز، روزہ، صحبت، وغیرہ کے بارہ میں حضورؐ کا ایک ایک صریح حکم سنا دیں۔

بالکل اسی طرح عورت کی نماز کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے دو (۲) قاعدے ارشاد فرمادیئے۔

(حدیث) **عن یَزِیْدِ بن اَبِیْ حَبِیْب اَنَّهٗ ﷺ مَرَّ عَلٰی اِمْرَأَتَیْنِ**

تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَاسَجَدتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَیْسَتْ فِیْ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ.

(رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ)

رسول اقدس ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپؐ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت (جسم) زمین کے ساتھ چمٹادو کیونکہ عورت اس (نماز) میں مرد کی مثل نہیں۔

پہلا قاعدہ

دیکھئے اس حدیث میں حضرتؐ نے پہلا قاعدہ بتا دیا کہ عورت کی نماز مرد کی طرح نہیں۔ لیکن آپ نے حضرتؐ کے اس حکم کو نہیں مانا۔

عن ابن عُمَرؓ مَرْفُوْعًا اِذَا جَلَسَتِ الْمَرْأَةُ فِی الصَّلٰوۃِ وَضَعَتْ فَخِذَهَا عَلٰی فَخِذِهَا الاُخْرٰی فَاِذَاسَجَدَتْ اَلْصَقَتْ بَطْنَهَا عَلٰی فَخِذِهَا کَاَسْتَرِمَایَکُوْنُ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَنْظُرُ اِلَیْهَاویقول یَا مَلَائِکَتِیْ اِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهَا.

(رواہ ابن عدی والبیہقی کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۷)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے پھر جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنے رانوں پر رکھے اور جتنا زیادہ ستر (پردہ پوشی) ہو سکے کرے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں گواہ رہو میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

دوسرا قاعدہ:۔

اس حدیث میں آپؐ نے دوسرا قاعدہ ارشاد فرمادیا کہ عورت کی نماز کے

مسائل میں سب سے زیادہ اہمیت ستر کی ہے۔ اس لئے جس حالت میں ستر زیادہ ہوگا وہی نماز عورت کی خدا کو زیادہ محبوب ہوگی اور ذریعہ مغفرت بنے گی۔ اس حدیث کی روشنی میں علمائے اہل سنت کہتے ہیں اصل میں عورت کے ستر کا مسئلہ ہے نماز میں جتنا بھی عورت کا ستر ہوگا بہتر ہے۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر مرد و عورت کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

فرق کی بعض باتیں:۔

چنانچہ مرد کے لئے فرض نماز مسجد میں پڑھنا ضروری ہے۔ عورت کے لئے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب ہے (بوجہ ستر)

نماز باجماعت میں مرد کے لئے اول صف افضل ہے عورت کے لئے آخری صف افضل ہے (بوجہ ستر)

نماز باجماعت میں امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے لیکن عورت وسط صف میں ہی کھڑی ہو (بوجہ ستر)

آپ کے مرد ننگے سر نماز پڑھتے ہیں اور عورتیں ننگے سر نماز نہیں پڑھتیں مرد ٹخنے ورآدھی پنڈلیاں ننگی کر کے نماز پڑھتے ہیں جب کہ عورتیں پنڈلیاں اور ٹخنے ڈھانپ کر نماز پڑھتی ہیں۔ بہرحال یہ شریعت مقدسہ کا کلیہ قاعدہ ہے کہ عورت نماز اس طرح ادا کرے جس میں ستر کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ہو۔ اب آیئے اصل مسئلے کی طرف۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ میں دو طرح ہاتھ اٹھاتے رہے کبھی کانوں تک کبھی کندھوں تک پھر آپ ؐ نے آخری عمر میں حضرت وائل ؓ کو جب نماز سکھائی تو حکم دیا کہ تم اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت چھاتیوں تک، اس حالت میں ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں تک پہنچ جاتی ہیں (رواہ الطبرانی) اب دیکھئے آنحضرت ؐ نے خود بوجہ ستر عورت اور مرد کی نماز میں فرق کر دیا۔

اَبُوْحَنِیْفَةَ عن نَافِعٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ اَنَّهُ سُئِلَ كَيْفَ كَانَ

النِّسَاءُ يُصَلِّيْنَ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كُنَّ يَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ اُمِرْنَ اَنْ يَّحْتَفِزْنَ (جامع المسانید ج ا ص ۴۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ عورتیں عہد رسالت میں نماز کیسے پڑھتی تھیں فرمایا وہ چارزانو بیٹھتی تھیں۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھیں۔

اب دیکھئے حدیث میں دو طرح بیٹھنا آتا تھا ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا بچھا کر بیٹھنا۔ اور سمٹ کر سرین پر بیٹھنا جسے تورک کہتے ہیں۔ عہد رسالت میں بوجہ تستر عورت کو نماز میں تورک کی طرح بیٹھنے کا حکم دے دیا گیا۔ جب کہ مرد پہلے طریقے پر ہی بیٹھتے رہے۔

عن عليؓ قال اِذَاسَجَدَتِ الْمَرْاَةُ فَلْتَحْتَفِزْ وَلْتَضُمَّ فَخِذَيْهَا. (رواہ ابن ابی شیبہ)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اس کو سمٹ کر سجدہ کرنا چاہیئے اور سارے جسم کو ملا کر سجدہ کرنا چاہیئے۔

دیکھئے اس طرح سجدہ کرنا مرد کے لئے بالاتفاق مکروہ ہے مگر عورت کے ستر کا اہتمام اسی میں زیادہ تھا اس لئے یہ حکم دیا گیا۔

اسی طرح ائمہ اربعہ کا اجماع اس پر ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے (وفقه علىٰ مذاهب اربعه) درمختار ج ا ص ۳۲۷ عالمگیری ج ا ص ۷۳) اور اس اجماع کی بنیاد وہی قاعدہ ہے جو حدیث میں آگیا لانه استر لها (شرح نقایہ ج ا ص ۷۳) کہ اس میں ستر کا زیادہ اہتمام ہے۔

اور دوسری حدیث حضرت علیؓ سے یہ تھی مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ (احمد) نماز کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔ اس سنت پر بھی عمل جاری رہا۔ دونوں قسم کی احادیث

میں تطبیق صریح حدیث سے نہیں حدیث میں مذکور قاعدہ ستر کے مطابق بیان کردی گئی آپ کسی صحیح حدیث جو صریح ہو ان دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا طریقہ بتادیں تو ہم یقیناً صریح کو علت پر ترجیح دیں گے اگر آپ صریح حدیث تطبیق کی پیش نہ کرسکیں تو مجتہد نے حدیث کی بیان کردہ علت کو سامنے رکھ کر دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے اسے کیوں چھوڑا جائے۔

نوٹ: اگر آپ ان دونوں قسم کی احادیث سے ایک کو صحیح دوسری کو ضعیف قرار دیں تو ان کا صحیح یا ضعیف ہونا حدیث صحیح صریح سے ثابت کریں کیونکہ آپ کے نزدیک امتی کا قول شرعی دلیل نہیں۔ ہم امتیوں کے اجماع اور مجتہد کے ارشاد کو دلیل سمجھتے ہیں اس لئے مجتہد کی تطبیق کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد کی بات نہیں مانتے اور خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی آدمی کی بات تسلیم نہیں کرتے کیونکہ خیر القرون کی خیریت منصوص بالا احادیث ہے۔

استفتاء

خواتین کے طریقہ نماز کا ثبوت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

لڑکی حنفی مذہب سے تعلق رکھتی ہے جس کی شادی غیر مقلد لڑکے سے ہوئی ہے۔ لڑکی کا شوہر اپنی حنفی بیوی سے کہتا ہیں کہ تم مردوں کی طرح نماز پڑھا کرو کیونکہ عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز کے طریقے کے مطابق ہے اور عورتوں کی نماز کا مردوں سے جدا ہونا ثابت نہیں تو اب پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کو غیر مقلد لوگوں کے طریقے سے نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں اگر اس کا شوہر ایسا حکم دے تو حنفی بیوی پر غیر مقلد شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ اور نیز حنفی مذہب میں عورت کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز کے طریقہ سے جدا ہونا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب دے کر مطمئن فرمائیں۔

المستفتی: شبیر احمد سانگھڑ وی

الجواب حامداً ومصلیاً

مذکورہ صورت میں اہل حدیث شوہر کا اپنی حنفی بیوی کو مردوں کے طریقہ سے نماز پڑھنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ عورتوں کی نماز کا طریقہ بالکل مردوں کی نماز کی طرح ہونا صراحۃً ثابت نہیں بلکہ خواتین کا طریقہ نماز مردوں کے طریقہ سے جدا ہونا بہت سی احادیث اور آثار صحابہؓ وتابعینؒ سے ثابت ہے اور چاروں ائمہ فقہ، امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی و امام احمد رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما اَنَّہٗ سُئِلَ کَیْفَ کَانَ النِّسَاءُ یُصَلِّیْنَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ کُنَّ یَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ اُمِرْنَ اَنْ یَّحْتَفِزْنَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ خواتین حضور اکرمؐ کے عہد مبارک میں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے چار زانو ہو کر بیٹھتی تھیں۔ پھر انہیں حکم دیا کہ خوب سمٹ کر نماز ادا کریں۔ (جامع المسانید ج ا ص ۴۰۰)

(۲) وعن وائل بن حجرؓ قال قال لِیْ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یَا وَائِلُ بْنُ حَجَرٍ! اِذَا صَلَّیْتَ فَاجْعَلْ یَدَیْکَ حِذَاءَ اُذُنَیْکَ وَالْمَرْأَۃُ تَجْعَلُ یَدَیْھَا حِذَاءَ ثَدْیَیْھَا.

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا طریقہ سکھلایا تو فرمایا کہ اے وائل بن حجر! جب نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۳)

(۳) عن یَزِیْدِ بن اَبِیْ حَبِیْب اَنَّ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ عَلٰی

اِمْرَأتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَاسَجَدتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَیْسَتْ فِیْ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو تم اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا دو اس لئے کہ اس میں عورت مرد کے مانند نہیں ہے۔ (السنن للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۳) اعلاء السنن بحوالہ مراسیل ابی داؤد ج ۳ ص ۱۹)

(۴) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اِذَا جَلَسَتِ الْمَرْأَةُ فِی الصَّلٰوۃِ وَضَعَتْ فَخِذَهَا عَلٰی فَخِذِهَا الاُخْرٰی فَاِذَاسَجَدَتْ اَلْصَقَتْ بَطْنَهَا فِیْ فَخِذَیْهَا کَاَسْتَرِمَایَکُوْنُ لَهَاوَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَنْظُرُ اِلَیْهَاوَیَقُولُ یَا مَلَائِکَتِیْ اُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملا لے اس طرح کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو میں نے اس عورت کی بخشش کر دی۔ (بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳ کنز العمال ج ۷ ص ۵۴۹)

(۵) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اَلتَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ.

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ (اگر نماز کے دوران کوئی ایسا

امر پیش آ جائے جو نماز میں حارج ہو تو) مردوں کے لئے یہ ہے
کہ وہ تسبیح کہیں اور عورتیں صرف تالی بجائیں۔
(ترمذی ص ۸۵ سعید کمپنی۔ مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۰)

(۶) قال اَبُوبَکرِ بنُ اَبِیْ شَیْبَةَ سَمِعْتُ عَطَاء سُئِلَ عَنِ الْمَرْأةِ کَیْفَ تَرْفَعُ یَدَیْهَا فِیْ الصَّلاةِ قَالَ حَذْوَثَدْیَیْهَا (وقال ایضابعداسطر) لا تَرْفَعُ بِذَالِکَ یَدَیْهَا کَالرَّجُلِ وَاَشَارَ فَخَفِضَ یَدَیْهِ جِدّاً وَجَمَعَهُمَا اِلَیْهِ جِدّاً وَقَالَ اِنَّ لِلْمَرْأةِ هَیْئَةَ لَیْسَتْ لِلرَّجُلِ۔

ترجمہ: امام بخاریؒ کے استاد ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے سنا کہ ان سے عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ نماز میں ہاتھ کیسے اٹھائے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی چھاتیوں تک، اور فرمایا نماز میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں۔ اور انہوں نے اس بات کو جب اشارہ سے بتلایا تو اپنے ہاتھوں کو کافی پست کیا اور دونوں کو اچھی طرح ملایا اور فرمایا کہ نماز میں عورت کا طریقہ مردوں کی طرح نہیں ہے۔ (المصنف لابی بکر ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۵)

(۷) حدثنا ابو الاحوَصْ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عن علیؓ قَالَ اِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأةُ فَلْتَحْتَفِزْ وَلْتَضُمَّ فَخِذَیْهَا۔

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی رانوں کو ملالے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۲۲۲)

(۸) عن ابن عباس رضی الله عنه اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَلاةِ الْمَرْأةِ فَقَالَ تَجْتَمِعُ وَ تَحْتَفِزُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ (سب اعضاء کو) ملا لے اور سرین کے بل بیٹھے۔

(المصنف لابن بکر ابن ابی شیبہ ج اص ۲۷۰)

مذکورہ بالا احادیث اور آثار صحابہؓ وتابعینؒ سے عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز سے واضح طور پر مختلف ہونا ثابت ہوا۔اب اس بارے میں ائمہ فقہ کا مسلک ملاحظہ فرمائیں۔

وفی مذهب الحنفية

واما النساء واتفقوا على ان السنة لهن وضع اليدين على الصدر لانه استرلها كما فى البناية وفى المنية المرأة تضعهما تحت ثدييها.(ص١٥٦ ج ١. السعاية)

والمرأة تنخفض فى سجود ها و تلزق بطنها بفخذ يها لان ذلك استرلها (وفى موضع آخر) وان كانت امرأة جلست على اليتيها اليسرى اخرجت رجليها من الجانب الايمن لانه استرلها الخ.(ص١١١، ج١ هدایہ)

وفى مذهب المالكية:

ندب مجافاة اى مباعدة رجل فيه ا اى سجود (بطنه فخذبه) فلايجعل بطنه عليها و مجافاة (مرفقيه ركتبه اى عن ركتيه و مجافاة ضبعيه اى مافوق المرفق الى الابط جنبيه اى عنهما مجافاة وسطا فى الجميع وأما المرأة فتكون منضمة فى جميع احوالها.

(الشرح الصغير للدرديرالمالكى ج ١ ص ٣٢٩)

وفی مذهب الشافعية:

قال النووی! يسن ان يجافی مرفقيه عن جنبيه ويرفع بطنه عن فخذيه وتضم المرأة بعضها الى بعض (وقال بعدا سطر) روی البراء بن عاذب رضی الله عنهما ان النبیﷺ كان اذاسجد جنح وان كانت امرأة ضمت بعضها الىٰ بعض لان ذلک استرلها.
(شرح المهذب ص ۴۰۴. ج ۳)

وفی مذهب الحنابلة:

وفی المغنی:. وان صلت امرأة بالنساء قامت معهن فی الصف و سطاقال ابن قدامة فی شرحه اذاثبت هذا فانها اذاصلت بهن قامت فی وسطهن لا فعلم فيه خلافا بين من رأی لها ان تؤمهن ولان المرأة يستحب لها التسترو لذلک لايستحب لها التجافی الخ. (۲۰۲ ج ۲)

مذکورہ بالا احادیث طیبہ، آثار صحابہؓ وتابعینؒ اور چاروں مذاہب فقہ حقہ کے حضرات فقہاء کرام کی عبارات سے جو عورتوں کی نماز کا مسنون طریقہ ثابت ہوا وہ مردوں کے طریقہ نماز سے جدا ہے، عورتوں کے طریقہ نماز میں زیادہ سے زیادہ پردہ اور جسم سمیٹ کر ایک دوسرے سے ملانے کا حکم ہے اور یہ طریقہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک اس امت میں متفق علیہ اور عملا متواتر ہے، آج تک کسی صحابی یا تابعی اور تبع تابعین یا دیگر فقہاء امت کا کوئی ایسا فتویٰ نظر نہیں آیا جس میں عورتوں کی نماز کو مردوں کی نماز کے مطابق قرار دیا ہو نیز خود اکابر اہل حدیث حضرات اس مسئلہ میں مذکورہ بالا عبارات کے مطابق فتویٰ دیتے رہے ہیں، چنانچہ مولانا عبدالجبار بن عبداللہ غزنوی (جو بانی جامعہ ابی بکر گلشن اقبال کراچی کے دادا ہیں) اپنے فتاویٰ میں وہ حدیث جو ہم نے

کنز العمال اور بیہقی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''اور اسی پر تعامل اہل سنت و مذاہب اربعہ وغیرہ چلا آیا ہے''

نیز اس کے بعد مختلف کتب مذاہب اربعہ سے حوالہ نقل کرنے کے بعد آخر میں نتیجۃً فرماتے ہیں کہ:۔

غرض یہ کہ عورتوں کا انضمام (اکٹھی ہو کر) اور انخفاض (سمٹ کر اور چمٹ کر) احادیث و تعامل جمہور اہل علم اور مذاہب اربعہ وغیرہ ہم سے ثابت ہے اور اس کا منکر کتب حدیث اور تعامل اہل علم سے بے خبر ہے واللہ اعلم حررہٗ عبد الجبار عفی عنہ۔

(فتاویٰ غزنویہ ص ۲۷ و ص ۲۸، فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۴۹ ج ۳)

جہاں تک اہل حدیث حضرات کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں نہ تو ان کے پاس کوئی آیت قرآن ہے اور نہ کوئی حدیث اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد کا فتویٰ البتہ اگر امِ درداء کا اثر استدلال میں پیش کریں جو مندرجہ ذیل ہے۔

"عن مکحول ان ام الدرداء کانت تجلس فی الصلاۃ کجلسۃ الرجل"

ترجمہ: حضرت ام درداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰)

تو اس اثر کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس اثر سے استدلال کرنا کئی وجہ سے درست نہیں۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اگر چہ حافظ مزیؒ نے ان کو صحابیہ کہا ہے لیکن دوسرے محدثین و ناقدین نے ان کو تابعیہ شمار کیا ہے لہٰذا یہ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں اور ایک تابعی کا عمل اگر چہ اصول کے مخالف نہ بھی ہو تب بھی اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

وفی الفتح: وعمل التابعی بمفردہٖ ولو لم یخالف لایحتج بہ (ص ۲۵۲ ج ۲)

(۲) بالفرض اگر ان کو صحابیہ بھی مان لیا جائے تو یہ ان صحابیہ کی اپنی رائے ہے۔

اور نہ ہی ان صحابیہ نے کسی اور کو اس کی دعوت دی ہے اور نہ ہی انہوں نے اس فعل پر حضور اکرم ﷺ کا کوئی قول و فعل اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد کا فتویٰ نقل کیا ہے لہذا عورتوں کی نماز کے سلسلہ میں امت کے عملی تواتر کے خلاف اس رائے کی پوزیشن ایسی ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی متواتر قرأت کے خلاف شاذ قرأت کی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان شاذ قرأت کے لئے متواتر قرآن حکیم کی تلاوت نہیں چھوڑتا اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

(۳) نیز اگر اس اثر کے الفاظ پر غور سے نظر ڈالی جائے تو اس سے جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں ام درداء کے ہیئت جلوس کو مرد کے ہیئت جلوس سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ام درداء تو مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں لیکن دوسری صحابیات اور خواتین کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف تھا جس کا احادیث بالا میں ذکر ہوا۔

(۴) اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اگر یہ اثر قابل استدلال نہیں تو پھر امام بخاریؒ نے اس کو اپنی صحیح بخاری میں کیوں ذکر کیا ہے تو یہ شبہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام بخاریؒ نے اس اثر کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس سے عورتوں کی نماز کے طریقہ پر استدلال کیا جائے بلکہ صرف اس بات کی تقویت کے لئے ذکر کیا ہے کہ مردوں کے جلوس کی کیفیت نماز میں کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں رقمطراز ہیں۔

"وعرف[۱] من رواية مكحول ان المراد بام الدرداء الصغرى التابعية لاالكبرى الصحابية لانه ادرك الصغرى ولم يدرك الكبرى...... ولم يورد البخارى اثرم الدرداء ليحتج به بل للتقوية الخ. (ج۲ص۲۵۲)

نیز اگر یہ حضرات "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ" سے استدلال کریں

[۱] مکحول کی روایت سے یہ معلوم ہوا ام درداء سے مراد صغریٰ تابعیہ ہیں اور کبریٰ صحابیہ مراد نہیں اس لئے کہ مکحولؒ نے تابعیہ کو پایا ہے صحابیہ کو نہیں اور امام بخاریؒ نے ام درداء کا اثر تقویت کے لئے ذکر کیا ہے اس لئے نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔

کہ عورتوں کی نماز مردوں کے مطابق ہے تو یہ استدلال بھی صحیح نہیں اول تو اس جملہ کا سیاق وسباق ایک خاص واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ کہ ایک خاص وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیس دن قیام کے لئے آیا واپسی پر آپ نے ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں اُن میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ:'

'صلوا کما رأیتمونی اصلی"

بہر حال اس جملہ کو سیاق وسباق سے ہٹ کر دیکھیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی عمومیت میں مرد وعورت سمیت پوری امت شریک ہے اور پوری امت پر لازم ہے کہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ کی نماز کا ہے وہی طریقہ پوری امت کا ہو لیکن یہ واضح ہو کہ اس عمومیت پر عمل اس وقت تک ہی ضروری ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے معارض نہ ہو اور اگر کوئی دلیل خصوص کسی بعض عمل یا افراد میں اس حکم کے معارض ہو تو اس دلیل خصوصی کی وجہ سے وہ بعض افراد یا وہ عمل اس امر کی تعمیم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ چنانچہ ضعفاء اور مریض ان احادیث سے جن میں ان کو ستر پوشی اور اختفاء کا حکم دیا گیا ہے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ لہٰذا ان مستثنیات کی موجودگی میں اس جملہ سے عورت اور مرد کی نماز میں مجموعی کیفیت اور طریقہ پر مطابقت کا استدلال درست نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ الشافعی نے اس بات کو فتح الباری میں ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"وھذا اذا اخذ مفردا عن ذکر سببه وسیاقه اشعر بانه خطاب للامة بان یصلو اکما کان فیقول الاستدلال به علیٰ کل فعل ثبت انه فعله فی الصلاة لکن ھذا الخطاب انما وقع لمالک بن الحویرث واصحابه بان یوقعوا الصلاة.

علی الوجه الذی رأوه ﷺ یصلیه نعم یشارکھم فی الحکم جمیع الامة بشرط ان یثبت استمراره ﷺ علی فعل ذلک

الشئی المستدل به دائما حتی یدخل تحت الامر ویکون واجبا وبعض ذلک مقطوع باستمراره علیه واما مالم یدل دلیل علی وجوده تلک الصلوٰت التی تعلق الامر بایقاع الصلاة علی صفتها فلانحکم بتناول الامر (فتح ص ۲۳۷ ج ۱۳)

لہٰذا احادیث بالا اور فقہاء امت کی تصریحات کے مطابق سنت یہ ہے کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے اور سمٹ کر بیٹھے، ستر کا زیادہ اہتمام کرے، ہاتھ سینے پر رکھے ان سب باتوں میں عورت کی نماز مرد کی نماز سے مختلف ہے اور یہی حق ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے ۔ واللہ اعلم۔

احقر محمد بدر عالم صدیقی عفی عنہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی
۱۴۱۲/۴/۳ھ

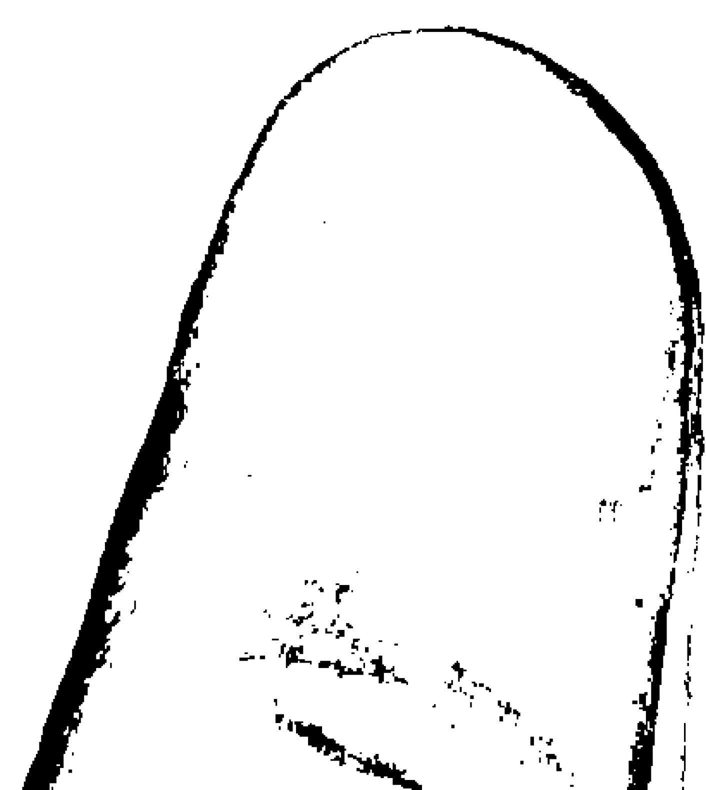
الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ
دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۱-۴-۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۱-۴-۱۴۱۲ھ



۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح
محمد رفیع عثمانی عفی عنہ
۱۴۱۲/۵/۹ھ
مفتی
جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴



(۱۳) ایک وتر کا مسئلہ

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۵۱ پر حدیث اور فقہ کا اختلاف ثابت کرنے کے لئے تیرہ نمبر پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

رسول پاک کا فرمان

ومن احب ان یوتر بثلث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل

(ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ)

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو وتر کی تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھے اور جو وتر ایک رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھ لے۔ الوتر رکعۃ من آخر اللیل (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

فقہ کا اختلاف

حضرت انورؐ کے فرمان سے وتر ایک رکعت بھی ثابت ہوا پس ایک رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فقہ کے مطابق ایک رکعت نہیں پڑھ سکتے حکم ہوتا ہے۔

الوتر ثلاث رکعات (ہدایہ باب الصلوٰۃ)

وتر تین رکعت ہیں۔

جواب: ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرائض اور سنت مؤکدہ کی رکعتیں مقرر ہوتی ہیں ان میں کسی کو اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا البتہ نوافل کا حساب ایسا ہے کہ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا جتنے پڑھ لو اتنا ہی ثواب مل جائے گا۔ نماز وتر کے بارے میں احادیث میں کئی اختلافات ہیں جن میں بعض احکام نفل والے ہیں مثلاً جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا۔ سواری پر بیٹھ کر وتر پڑھ لینا وغیرہ بعض احکام وجوب کے ہیں کہ تین ہی رکعت پڑھنا سواری پر بیٹھ کر وتر کا جائز نہ ہونا وتروں کی قضا کا ضروری ہونا۔ اب شریعت (کتاب وسنت) میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی نماز کو ن

نفل کی نیت سے ادا کرلیا جائے اور کبھی واجب کی نیت سے پڑھ لیا جائے اور نہ صراحۃً کسی حدیث میں یہ ہے کہ پہلے یہ احکام تھے اب یہ ہیں جب یہ صراحت نہ ملی تو بنص حدیث معاذؓ یہاں اجتہاد کی گنجائش نکل آئی مجتہدین نے اجتہاد سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دے لی۔ اس بارہ میں احناف یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر نفل تھے اور تہجد میں شامل تھے اس لیے تہجد اور وتر کو ملا کر بیان کر دیا جاتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ یا تیرہ تک وتر (مع تہجد) پڑھے۔

(۱) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ امدکم بصلوٰۃ ھی خیرلکم من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین صلوٰۃ العشاء الی صلوٰۃ الفجر (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۶ حاکم وذہبی نے شرط شیخین پر صحیح کہا ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک زائد نماز عطا کی ہے جو کہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے پس اس نے تمہارے لئے اسے عشاء اور فجر کی نماز کے درمیان رکھا ہے'' یہ حدیث حضرت خارجہ بن حذافہؓ (حاکم) حضرت ابوسعید خدریؓ (طبرانی) حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (دارقطنی) حضرت عمرو بن شعیب رحمہ (دارقطنی) حضرت عقبہ بن عامرؓ (طبرانی) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ (خلافیات بیہقی) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (دارقطنی فی غرائب مالک) سے مروی ہے اس لئے قاضی ابوزید فرماتے ہیں وھو حدیث مشھور (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۱۲)

اس مشہور حدیث سے وتر کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ زیادتی اس جنس میں ہوتی ہے مثلاً کہا جائے کہ اس سکول میں ایک استاد بڑھا دیا گیا تو وہ استاد ہی شمار ہوگا۔ اسی طرح فرائض میں ایک نماز کا بڑھانا اس کے فرض ہونے کی دلیل ہے لیکن اس کا ثبوت فرائض کی طرح متواتر نہیں اس لئے اس کو واجب کہا گیا۔

(۲) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے الوتر حق واجب علیٰ کل مسلم رواہ ابن حبان و صححہ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۰۰) وتر لازم اور واجب

ہے ہر مسلمان پر۔

(۳) حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے الوتر حق (امر ثابت ولازم) ہے لہذا جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں۔ وتر حق (لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں وتر حق (لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں (اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ ج ۱ ص ۳۰۶)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الوتر واجب علیٰ کل مسلم (رواہ البزار) یعنی وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔

اب ظاہر ہے کہ واجب ہو جانے کے بعد نوافل والے تمام احکام ختم ہو گئے نہ اس کی رکعتوں کی تعداد اپنی مرضی پر رہی نہ ہی اس کا بیٹھ کر پڑھنا خواہ سواری پر ہی ہو جائز رہا۔

اب رہا یہ سوال کہ کتنی رکعتیں واجب ہوئیں تو ظاہر ہے کہ یہ زیادتی پانچ نمازوں پر ہوئی اور پانچ نمازوں میں سے چار نمازیں جفت ہیں یعنی دو یا چار رکعت ہیں اور صرف ایک ہی نماز طاق (وتر) ہے وہ مغرب کی نماز ہے۔

(۵) عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال صلوٰۃ المغرب وتر النہار فاوتروا صلوٰۃ اللیل. (مصنف عبدالرزاق ج ۳، ص ۲۸ وابن ابی شیبہ۔ احمد)

علامہ عراقی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے (زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۳۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں اسی طرح تم رات کی نماز کو وتر بنا دو۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔

(موطا امام محمد ص ۱۴۶)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے وتر تین ہیں جیسے دن کے وتر یعنی نماز مغرب (اس کو دارقطنی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے) (دارقطنی ج ۲ ص ۲۶)

(۸) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر کی تین رکعت ہیں جیسے نماز مغرب کی تین رکعت ہیں۔ (طبرانی فی الکبیر)

(۹) حضرت ابوخالدہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کے تمام صحابہؓ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح پڑھی جاتی ہے ماسوا اس کے کہ ہم اس کی تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں پس یہ رات کا وتر ہے اور مغرب کی نماز دن کا وتر ہے (طحاوی ج ۱ ص ۱۴۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب وتر واجب ہوئے تو اس کی تین ہی رکعت مقرر ہو گئیں جیسے نماز مغرب کی تین ہی رکعتیں ہیں اور وہ دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں اسی پر صحابہؓ خود عمل کرتے رہے اور یہی طریقہ اپنے شاگردوں کو بتاتے رہے اور اسی پر بلا تردّد انکا و خیر القرون میں عمل جاری رہا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جن احادیث میں وتر کی تعداد مختلف آئی ہے وہ اس دور کی ہیں جب وتر نفل تھے۔

آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے یہ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت نعمان بن بشیرؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ۔ حضرت عمران بن حصینؓ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ۔ حضرت جابرؓ اور حضرت ابوامامہؓ چودہ صحابہ نے روایت کیا ہے ادھر عہد فاروقیؓ سے بیس تراویح اور تین وتر پر صحابہ کا اجماع ہو گیا یہی اجماع حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ اور بعد میں بھی قائم رہا۔

لہٰذا تین رکعت کے علاوہ جتنی رکعات کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اجماعاً متروک العمل ہیں۔

وتر پڑھنے کا طریقہ

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے اس لئے بعض اوقاتِ آنحضرت ﷺ تین وتروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے۔ دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے بعض صرف آخری رکعت کا خیال کر کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین دو سلاموں سے ادا فرمائے لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا ایسے ہی وتر کے درمیان بھی سلام کلام جائز نہیں رہا۔

(۱) عن عائشہؓ ان رسول اللہ ﷺ کان لا یسلّم فی رکعتی الوتر (موطا امام محمد ص ۱۵۱ نسائی ج ا ص ۲۴۸)
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۲) اور اسی طریقے پر عمل آخر تک جاری رہا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے پس وہ وتر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور حاضرین نے بھی ان کے پیچھے صف باندھ لی تو حضرت مسعود بن مخرمہ فرماتے ہیں فصلیٰ بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی اخرھن یعنی حضرت عمرؓ نے ہمیں تین رکعتیں وتر پڑھائے جن میں صرف تیسری رکعت پر سلام پھیرا۔ (طحاوی ج ا ص ۲۰۲ عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۰ ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۹۳)

(۳) یہ بات پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے کہ دور فاروقی۔ دور عثمانی اور مرتضوی میں جیسے بیس رکعت تراویح پر اجماع ہوا اسی طرح تین وتر پر بھی اجماع ہوا حضرت ابی بن کعبؓ امام التراویح کان یوتر بثلاث لایسلم الافی الثالثۃ مثل المغرب (عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶) تین رکعت وتر پڑھا کرتے اور دوسری رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ مغرب کی نماز کی طرح صرف تیسری رکعت پر ہی سلام پھیرتے تھے یعنی اجماع اسی

بات پر ہوا کہ وتر تین رکعت دو التحیات اور ایک سلام سے مثل مغرب کے ہیں۔

(۴) حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے (ہزاروں) اصحاب (تین وتر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۵) حضرت ابو الزناد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ساتوں فقہاء اس پر متفق تھے کہ وتر تین رکعتیں ہیں اور سلام صرف تیسری رکعت کے بعد ہے اور اسی پر حضرت عمر بن عبد عبدالعزیز نے فیصلہ فرمایا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳ ص ۲۰۴)

(۶) حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اجمع المسلمون ان الوتر ثلاث لا یسلم الافی آخرھن (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴) سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان ہی احادیث پر عمل جاری رہا اور دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا۔ صرف حدیث ہی روایت کی تو شاگرد سن کر کہنے لگا کہ انی لاخاف ان یقول الناس ھی البتیراء میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس طریقے کو دم کٹی نماز کہیں۔

(طحاوی ج ۱ ص ۱۹۲)

ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ یا صحابہ تھے یا تابعین۔ ان کا اس طریقے کو دم کٹی نماز کہنا اس حدیث کے متروک العمل ہونے کی دلیل ہے جیسا کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر کرتا تو لوگ اعتراض کرتے۔

افسوس کہ غیر مقلدین نے احناف کی ضد میں ان احادیث پر عمل چھوڑ رکھا ہے جن پر بلا نکیر عمل جاری رہا اور شاذ روایات کو اپنانا اپنا مشن بنالیا ہے۔

درمیانی قعدہ

احناف کی ضد میں یا تو غیر مقلدین دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ اس پر عمل باقی نہیں رہا یا احناف کی ضد میں دو رکعت پر سرے سے

قعدہ ہی نہیں کرتے یہ بھی ترک واجب ہے ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک نماز میں آنحضرت ﷺ درمیانی قعدہ بھول گئے تو آپ ؐ نے سجدہ سہو فرمایا۔ اس لئے اگر کوئی بھول کر بھی یہ قعدہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ اعادہ نماز واجب ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۴) آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت پر التحیات ہے۔

(۲) حضرت فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الصلوٰۃ مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین (ترمذی ج ۱ ص ۵۰) یعنی نماز دو دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے۔

فائدہ: لفظ کل خاص طور پر یہاں قابل توجہ ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپ ؐ نے پرواہ نہیں کی پس جب آپ نماز پوری کر چکے تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا (روہ البزار مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۲) اور کہا اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعت کا کیا مطلب ہے تو فرمایا ان تسلم فی کل رکعتیں (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۷) کہ تم ہر دو رکعت پر سلام پھیرو۔ چنانچہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا تھا ہاں وتر کی دو رکعت کے بعد آخر میں یہ سلام باقی نہ رہا تو التحیات پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے اس لئے وہ تمام حدیثیں بھی جن میں سلام کی نفی ہے قعدہ کی دلیل ہیں۔

(۵) وہ تمام احادیث جن میں نماز وتر کو نماز مغرب جیسا قرار دیا ہے وہ بھی

درمیانی قعدہ کے لئے دلیل ہیں کیونکہ مغرب کے تین فرضوں کی دو رکعتوں کے بعد اگر التحیات نہ پڑھے یعنی قعدہ نہ کرے تو بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے اپنی والدہ کو (جو آنحضرت ﷺ کی خادمہ تھیں) جناب رسول اقدس ﷺ کے گھر خاص اس مقصد کے لئے بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ آنحضرت ﷺ نماز وتر کس طرح ادا فرماتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب وتر ادا فرمائے تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی۔ دوسری رکعت میں قل یاایھا الکفرون پڑھی اس کے بعد قعدہ اولیٰ کیا اس کے بعد کھڑے ہوئے اور ان دو رکعتوں کو سلام کے ساتھ تیسری رکعت سے جدا نہیں فرمایا اس کے بعد تیسری رکعت میں (فاتحہ کے بعد) قل ھواللہ احد پڑھی یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کہا اس کے بعد قنوت پڑھی اور پھر رکوع فرمایا۔ (رواہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب ج ۴، ص ۷۱)

(۷) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے پھر جب دو رکعت کے بعد تو (التحیات پڑھ کر) سلام کا ارادہ کرے تو کھڑا ہو کر ایک رکعت ملالے تو وہ وتر ہو جائیں گے حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں میں نے تین وتر ہی لوگوں کو پڑھتے پایا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۵) دیکھئے بخاری شریف کی اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام اور دو التحیات سے ثابت ہو گئے ان سب مشہور روایات کے خلاف غیر مقلدین جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

امام حاکم نے پہلے دو سندوں سے سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفی عن سعد بن ہشام عن عائشہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۴) سعید کی یہ حدیث مستدرک حاکم کے علاوہ نسائی ج ۱ ص ۲۴۸، موطا امام محمد ص ۱۵۱، طحاوی ج ۱ ص ۱۹۳، محلی ابن حزم ج ۲ ص ۴۸،

ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵ دار قطنی ص ۱۷۵ بیہقی ج ۳ ص ۳۱ مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۶ طبرانی صغیران دس کتابوں میں حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اخبر نا ابو نصر احمد بن سهل الفقيه بنجار اثنا صالح بن محمد بن حبيب الحافظ ثنا شيبان بن فروخ ابن ابی شيبه ثنا ابان عن قتاده عن زرارة بن ابی اوفى عن سعد بن هشام عن عائشةؓ قالت كان رسول اللهﷺ يوتر بثلاث لايسلم (فی نسخة لايقعد) الافی آخرهن وهذاوتر امير المؤمنين عمرؓ بن الخطاب و عنه اخذهٔ اهل المدينه. (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴)

گویا دس سندوں میں تو اتفاق ہے کہ حدیث کے الفاظ لایسلم ہیں یعنی آپؐ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور گیارھویں سند میں دو نسخے ہیں ایک تو یہی لا یسلم دوسرا لایقعد کہ آپؐ دو رکعتوں کے بعد نہیں بیٹھتے تھے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ یہ نسخہ جو گیارہ سندوں کے خلاف ہے اس کی سند اور متن کی تحقیق کی جائے کیونکہ اس نسخہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے متواتر آیت قرآنی کے خلاف کوئی شاذ قرأت ہو۔ یا محکم کے مقابلہ میں متشابہ آ جائے۔

(۱) اس کی سند کے پہلے دو راویوں کے حالات نہ تقریب میں ملے ہیں نہ تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں۔

(۲) تیسرے راوی شیبان بن فروخ کے بارہ میں تقریب التہذیب ص ۱۴۸ پر لکھا ہے صدوق يهم ورمی بالقدر۔ یعنی سچا ہے مگر وہم کا شکار تھا اور تقدیر کے انکار کی بھی تہمت اس پر تھی۔

(۳) چوتھا راوی ابان ہے ابان کی ولدیت سند میں مذکور نہیں تقریب التہذیب

میں دس ابان نامی راوی ہیں جن میں سے آٹھ ضعیف ہیں اور دو ثقہ ہیں علامہ نیمویؒ نے اس کو ابان بن یزید قرار دیا ہے لیکن ان کی بات غیر مقلدین کے لئے حجت نہیں بن سکتی اور علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید گو ثقہ ہے لیکن اس کی یہ روایت ثقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۱۵)

(۴) فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے ابان کی روایت میں بجائے لا یقعد کے لا یسلم ہے (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لئے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق یقعد والے الفاظ کو خطاء اور غلطی تصور کرنا چاہئے (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۱۹۹)

(۵) اس روایت کا مدار قتادہ پر ہے اور قتادہ جب عن سے روایت کرے تو غیر مقلدین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث و اذا قرأ فانصتوا کو ماننے سے اسی لئے انکار کیا ہے کہ قتادہ عن سے روایت کر رہا ہے اور نسائی ج ۱ ص ۱۲۳ کی حدیث مالک بن الحویرثؓ جس میں سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ قتادہ عن سے روایت کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کو نہیں مانتے اس لیے قتادہ کی روایت ان کے نزدیک کیسے حجت بن سکتی ہے اس لیے سند کے اعتبار سے یہ روایت ہر گز قابل استدلال نہیں۔

(۶) اس کے متن پر غور کریں تو بھی جملہ لا یقعد صحیح نہیں کیونکہ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ وتر پڑھنے کا یہ طریقہ حضرت عمرؓ کا تھا اور یہی طریقہ اہل مدینہ نے ان سے اخذ کیا۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ لا یقعدوا الا تھا یا لا یسلم والا تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن کے بعد جب حضرت عمرؓ نے سب کو نماز وتر پڑھائی تو آخر میں سلام پھیرا اس میں لا یسلم ہے لا یقعد نہیں۔

(۷) حسن بصریؒ سے جب کہا گیا کہ حضرت ابن عمرؓ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے تو حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمرؓ بڑے فقیہ تھے وہ دوسری رکعت پر سلام پھیرے بغیر تکبیر سے اٹھتے تھے (مستدرک ج ۱ ص ۳۰۴) حضرت عمرؓ

سے کسی صحیح سند سے لا یقعد کا لفظ ثابت نہیں۔

(۸) دوسری بات اہل مدینہ کے وتر کی بابت ہے ان کے بارہ میں بھی گزر چکا کہ بالاتفاق لا یسلّم والا طریقہ تھا کسی ایک روایت میں بھی لا یقعد نہیں آتا۔

الغرض لا یقعد والی روایت نہ سنداً صحیح ہے نہ متناً اور اکثر احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہایت منکر روایت ہے۔

نتیجہ غیر مقلدین جو تین وتر پڑھتے ہیں دونوں طریقے غلط ہیں ایک متروک بالاجماع ہے اور اجماع سے نکلنے والا بنص حدیث دوزخی ہے دوسرا منکر، اور مشہور روایت کے مقابلہ میں منکرات پر عمل کرنے والا یقیناً گمراہ ہے۔

تین رکعت وتر کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جس دور میں نماز میں سلام کلام جائز تھا اس وقت وتروں میں بھی سلام ہوتا تھا دو رکعت الگ اور ایک وتر الگ پڑھتے تھے اس طرح بعض راوی اس کو تین رکعت روایت کرتے بعض ایک رکعت ورنہ شفع کے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں چنانچہ امام رافعی اور ابن صلاح سے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہمیں معلوم نہیں کہ کسی روایت میں یہ آتا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی صرف ایک رکعت وتر پڑھا ہو (التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۵) لیکن غیر مقلدین احناف کی ضد میں اسی پر زور دے رہے ہیں اس بارے میں وہ چند استدلال پیش کرتے ہیں جن میں سرفہرست حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا جو چاہے پانچ وتر پڑھ لے جو چاہے تین پڑھ لے جو چاہے ایک پڑھ لے مگر اس میں دو باتیں چھپا جاتے ہیں۔

(۱) یہ حدیث دراصل صحابی کا قول ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''امام ابو حاتم ذہلی، دار قطنی در علل، بیہقی اور بہت سے حضرات نے اس کو موقوفاً صحیح کہا ہے اور یہی درست ہے (التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳) موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں اور غیر

مقلدین کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ''در موقوفات صحابہ حجّت نیست'' صحابی کا قول حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔

(۲) اس روایت کے آخر میں نسائی ج ۱ ص ۲۴۹ پر یہ بھی ہے جو چاہے ایک وتر پڑھ لے اور جو چاہے اشارہ کر لے۔ یہ جملہ غیر مقلدین ہرگز بیان نہیں کرتے کیونکہ اس سے تو ایک وتر سے بھی چھٹی ملتی ہے اور کیسی آسانی ہے کہ وتروں کے سارے اختلافات کا خاتمہ ہے۔

(۳) اگر بالفرض ہم مان ہی لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو بھی آخری جملے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ اس دور کا فرمان ہے جب وتر نفل درجہ میں تھے واجب نہیں تھے کیونکہ واجبات سے چھٹی نہیں مل سکتی نوافل سے مل سکتی ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے الوتر رکعۃ من آخر اللیل (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک رکعت کے الگ پڑھنے میں صریح نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ گزشتہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک ملا کر تین وتر پڑھے (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۵) یا جیسے میں نے کہا کہ دو رکعت کے بعد جب سلام پھیرتے تھے تو کبھی ایک رکعت کو الگ بیان کر دیتے اس کے بعد خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث روایت فرمائی کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے اور ظاہر ہے کہ مغرب کے فرض ایک رکعت کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ اور آخر میں تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک رکعت وتر کے اتنے مخالف ہو گئے تھے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے کو الحمار (گدھا) فرمایا (طحاوی ج ۱ ص ۱۹۹) افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت جو پہلے دور کی ہے وہ تو پیش کرتے لیکن آخری دور کی روایات کو چھپا جاتے ہیں حالانکہ یہ کتمان حق یا تو یہود کا طریقہ تھا (القرآن) یا ان سے شیعہ نے لیا (الکافی) یا اب غیر مقلدین کا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے۔

(۵) عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن البتیرأ ان یصلی الرجل واحدۃ یوتر بھا.
(رواہ ابن عبد البر فی التمھید بحوالہ اعلاء السنن ج ۶ ص ۴۰)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا ہے یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔

(۶) عن محمد بن کعب القرظی ان النبی ﷺ نھی عن البتیرا

محمد بن کعب بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا۔ (زیلعی ج ۱ ص ۳۰۲ وَھُوَ مرسل معتضد)

(۷) دور صحابہ و تابعین میں ان ہی احادیث کے موافق عمل جاری تھا ایک وتر کا کوئی رواج نہ تھا اگر شاذ و نادر کوئی ایک رکعت پڑھتا تو اس پر انکار ہوتا اور لوگ تعجب سے اس کو دیکھتے وہ ان کے انکار کے جواب میں کوئی حدیث پیش نہ کر سکتا۔ ہمارا غیر مقلدین سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم ایسے واقعات احادیث صحیحہ سے پیش کریں گے کہ ایک وتر پڑھنے والے پر شدید انکار ہوا۔ اور غیر مقلدین یہ ثابت کریں گے جن پر انکار ہوا انہوں نے فلاں صحیح حدیث سے ان کے سامنے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ اھون مایکون الوتر ثلاث رکعات (موطا امام محمد ص ۱۵۰) کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں۔ یہ ایک رکعت وتر کا صریح انکار ہے۔ اب غیر مقلد ثابت کریں کہ کسی نے ان کے سامنے حدیث سے ایک وتر کا ثبوت پیش کیا ہو۔

(۹) پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صراحۃً کھل کر فرمایا ما اجزأت رکعۃ

واحدة قط (موطا امام محمد ص ۱۵۰) کہ (وتر) کی ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہوسکتی۔ اس وقت کوفہ میں سینکڑوں صحابہؓ اور ہزاروں تابعین موجود تھے کسی نے ایک حدیث بھی ان کے رد میں پیش نہ کی۔

(۱۰) حضرت سعدؓ نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ایک رکعت ہرگز جائز نہیں وعاب ذلک علی سعد اور حضرت سعدؓ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳) مگر حضرت سعدؓ ایک بھی حدیث ان کے مقابلہ میں پیش نہ کر سکے۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے کوفے میں ایک وتر پڑھا میں ان کے پیچھے چلا اور ان کا بازو پکڑ لیا اور پوچھا ابا اسحاق ماھذہ الرکعۃ یہ رکعت کیا ہے (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳) اس سے معلوم ہوا کہ شاذ قرأتوں کی طرح ایک وتر کو لوگ بڑے اچنبھے کی طرح دیکھتے تھے۔ حضرت سعدؓ عبداللہ بن سلمہ کے سامنے بھی کوئی حدیث پیش نہ فرما سکے۔

(۱۲) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک وتر پڑھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کا قول دلیل شرعی ہے۔ اور احناف کے نزدیک جمہور صحابہ کا قول یا فعل دلیل شرعی ہے جمہور کے خلاف کسی کا قول یا فعل دلیل شرعی نہیں۔ اگرچہ ابن عباسؓ کی طرح ہم اجتہادی اختلاف کی تاویل کریں گے۔ بہر حال اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک رکعت وتر پڑھا یہ اس عہد میں ایک اجنبی فعل تھا ابن ابی ملیکہ نے آ کر ابن عباسؓ کو بتایا آپ نے فرمایا انہ فقیہ یعنی ایک وتر کے باقی رہنے پر ان کے پاس کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔ البتہ ان کی فقہی رائے ہے اور فقیہ اپنی رائے میں خطاء پر بھی ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے اس لئے اصاب بھی فرمایا (بخاری) اور واقعی کوئی غیر مقلد یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے کوئی صریح حدیث پیش کر کے ثابت کیا ہو کہ یہ میری فقہی رائے نہیں بلکہ صریح حدیث پر عامل ہوں۔ اس سے تو

معلوم ہوا کہ پورے مکہ مکرمہ میں کوئی ایک وتر کو جانتا تک نہ تھا جب امیر معاویہؓ آئے تو دیکھا اور حیران ہوئے۔

(۱۳) حضرت ابن ابی ملیکہ کو ابن عباسؓ نے مندرجہ بالا جواب دیا پھر جب عکرمہ نے بھی آ کر بتایا کہ حضرت معاویہؓ نے ایک وتر پڑھا ہے (تو شاید اس خیال سے کہ اس خطائے اجتہادی کا رواج نہ ہو جائے) آپ نے سخت الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔

(طحاوی ج ا ص ۱۹۹)

(۱۴) غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک وتر پڑھا اور ایک رکعت میں سارا قرآن ختم کیا۔ (دار قطنی ۔طحاوی)

ہم کہتے ہیں آپ کے مذہب میں تو حضرت عثمانؓ کا فعل دلیل شرعی نہیں بلکہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرنا آپ کے نزدیک خلاف حدیث اور بدعت ہے پھر آپ کو اس سے کیا فائدہ اور ہم کہتے ہیں کہ اس کی سند میں فلیح بن سلیمان راوی ضعیف ہے۔

پھر اس روایت میں یہ بھی تو ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن التیمی جو صحابی ہیں انہوں نے جب حضرت عثمان کو ایک رکعت پڑھتے دیکھا تو یہ فرمایا اوھم الشیخ یعنی کوئی شخص وہم سے یا بھول کر ایک رکعت پڑھ لے تو یہ ممکن تھا مگر بغیر وہم اور بھول ایک رکعت کا پڑھنا اس دور میں کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا تھا اور حضرت عثمانؓ بھی کوئی ایک حدیث پیش نہ فرما سکے کہ یہ وہم نہیں ہے میں فلاں حدیث پر عمل کر رہا ہوں۔ تمہیں خود حدیث کا علم نہیں۔ اور احناف یہ کہتے ہیں کہ خود دور عثمانیؓ میں بیس تراویح کے ساتھ سب تین وتر پڑھتے تھے جس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ ان سب روایات سے بھی یہی ثابت ہوا کہ ایک رکعت وتر پر عہد صحابہ میں امر منکر کی طرح انکار ہوتا تھا۔ یہ تعامل دلیل ہے کہ حدیث بیتراء ہرگز بے اصل نہیں۔

(۱۵) تمام صحاح ستہ میں یہ فرمان رسولؐ موجود ہے صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ نماز کا کم از کم

نصاب دو رکعت ہے اس سے کم نماز نہیں یہی وجہ ہے کہ فرائض و نوافل میں۔ سفر یا حضر میں حتیٰ کہ خوف کی نماز میں بھی کوئی نماز ایسی نہیں ملتی کہ جہاں شریعت نے ایک رکعت کو جائز رکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ وتر کی نماز بھی اسی ضابطہ کے تحت آئے گی اور محض ایک رکعت وتر نماز نہیں کہلائے گی۔

(۱۶) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت عبداللہ بن ابی قیسؓ نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کتنے وتر پڑھتے تھے فرمایا آپؐ چار اور تین۔ چھ اور تین۔ آٹھ اور تین۔ دس اور تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے کبھی تیرہ رکعت سے زائد اور سات رکعت سے کم نہیں پڑھتے تھے۔ (احمد ج ۶ ص ۱۵۶ طحاوی ج ۱ ص ۱۹۸ بوداؤد ج ۱ ص ۲۰۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ تین رکعت سے نہ زیادہ وتر پڑھتے تھے اور نہ تین رکعت سے کم۔

ان دلائل سے یہ باتیں نہایت وضاحت سے ثابت ہو گئیں۔

(۱) ایک رکعت وتر جائز نہیں رہے ایسی روایات بتیراء سے منع فرمانے سے پہلے کی ہیں۔

(۲) تین رکعت میں دو رکعت پر سلام پھیرنا یہ طریقہ بھی درست نہیں اس پر عمل جاری نہیں رہا۔

(۳) تین رکعت کے درمیان قعدہ نہ کرنا یہ بھی غلط طریقہ ہے کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں۔

(۴) وتر کا صحیح طریقہ جس پر عمل جاری رہا یہی ہے کہ تین وتر دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھے جائیں۔

(۱۴) جلسۂ استراحت

حکیم صادق سیالکوٹی نے حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے جلسہ استراحت کو بھی پیش کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث

بخاری شریف سے پیش کی ہے لیکن اس کے نقل کرنے میں ایک زبردست خیانت کی ہے اس حدیث کے راوی نے بتایا کہ ایک بوڑھے بزرگ نماز میں یہ جلسہ استراحت کرتے تھے لم ارا احدھم یفعلونہ میں نے اور کسی کو یہ کرتے نہیں دیکھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۳) نیز فرماتے ہیں میں نے عمرو بن سلمہؓ بوڑھے کو جلسہ استراحت کرتے دیکھا ہے لا اراکم تصنعونہ (طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴) تم میں سے کسی کو یہ کرتے نہیں دیکھا۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں ایوب نے جلیل القدر تابعین (اور تبع تابعین) کی زیارت کی ہے ان کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعل سنت نہیں (طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴) ورنہ یہ سب صحابہ اور تابعین اس کو ترک نہ فرماتے ظاہر ہے کہ بوڑھے حضرت عمرو بن سلمہؓ بڑھاپے کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اب اس بوڑھے کا جلسہ استراحت کرنا اور باقی سب خیر القرون والوں کو چھوڑنا اس حدیث کی عملی تشریح ہے کہ یہ نماز کی سنت نہیں ہاں کوئی بوڑھا یا مریض سیدھا کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ عذر کی وجہ سے یہ جلسہ استراحت کر سکتا ہے۔

دوسرا فریب

یہ کیا کہ ہدایہ کی عبارت کو بھی نہایت نامکمل نقل کیا۔ جو کہ سبیل یہود ہے نہ کہ سبیل رسول۔

پوری عبارت

سجدہ ثانیہ کے بعد سیدھا اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگائے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بیٹھ کر اٹھے اور زمین پر ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ (جلسہ استراحت) کیا ہے اور ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے (یعنی یہ آپ کی مبارک عادت تھی) اور جس حدیث میں جلسہ استراحت کا فعل مذکور ہے وہ بڑھاپے پر محمول ہے یعنی جب آپ کا بدن مبارک

بڑھاپے کی وجہ سے بوجھل ہو گیا تھا (ابوداؤد) اس وقت آپ نے یہ فعل فرمایا اور یہ آرام کا قعدہ ہے اور نماز آرام کے لئے نہیں بنائی گئی۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۰ باب صفۃ الصلوٰۃ)

دیکھو صاحب ہدایہ نے نہ تو جلسہ استراحت والی حدیث کا انکار کیا کہ ان پر انکار حدیث کی تہمت لگائی جائے اور نہ فقہ کے مسئلہ کو بے دلیل لکھا بلکہ باقاعدہ حدیث پاک سے ثابت فرمایا صادق صاحب نے ہدایہ میں اس حدیث کو پڑھنے کے باوجود حدیث رسول ﷺ کا انکار کر دیا بلکہ سنت رسول کو صاحب ہدایہ کا بے دلیل حکم قرار دیا۔ اور اس سنت پر عمل کرنے کو حدیث کے چھوڑنے سے تعبیر کیا۔

مثال: اس کو مثال سے سمجھیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پیشاب فرمایا کرتے تھے مگر آپ سے کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا بھی بخاری شریف کی صحیح ترین حدیث سے ثابت ہے اب ایک عالم ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق بیان کر دے کہ اصل سنت تو بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی ہے اور جو حدیث بظاہر اس کے مخالف ہے وہ عذر پر محمول ہے کہ کوئی عذر ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے لیکن بلا عذر طریق سنت کو نہ چھوڑنا چاہیئے۔ اب کوئی اس عالم کو منکر حدیث کہنا شروع کر دے تو دراصل وہ خود منکر سنت ہے احناف نے کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمارا یہ مسئلہ محض قیاسی ہے۔

احناف کے دلائل

حضرت ابوہریرہؓ کی مشہور حدیث مسی الصلوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز سکھاتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہو جا۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۲۴ و ج ۲ ص ۹۸۶)

یہ صاف حکم ہے کہ جلسہ استراحت کی بجائے سیدھے کھڑے ہونا چاہیئے۔

نوٹ: بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ پر جالسا کا لفظ ہے مگر وہ راوی کا وہم ہے۔ (فتح الباری)

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ چار رکعت نماز میں ۲۲

تکبیریں سنت ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۸) محدث کبیر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ نماز قولی اور بدنی عبادت کا مجموعہ ہے اس میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال ہو تو ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً قیام سے رکوع کو جائیں تو تکبیر رکوع سے قومہ کی طرف اٹھیں تو تسمیع اس طرح سجدوں میں جھکنے اور اٹھنے کے ساتھ تکبیریں ہیں لیکن اس جلسہ کے لئے شریعت نے کوئی تکبیر مقرر نہیں کی ورنہ چار رکعت میں ۲۴ تکبیریں ہوتیں تو نماز میں ایسا فعل جو ذکر سے خالی ہو وہ عبادت اور افعال نماز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ کے خلاف ہے (طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴) مع تغیر۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کان النبی ﷺ ینھض علی صدور قدمیه (ترمذی) کہ رسول اقدس ﷺ اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اس کا راوی خالد بن ایاس ضعیف ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے یعنی مؤید بالعمل ہونے کی وجہ سے ضعف مضر نہیں۔

(۴) حکیم صادق صاحب حدیث ابو حمیدؓ کو دس صحابہ کی تائید کے ساتھ مسئلہ رفع الیدین میں تو بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں مگر شاید جلسہ استراحت کے بارہ میں ان کو یہ لفظ نظر نہیں آتا کہ آنحضرت ﷺ دوسرے سجدے سے اٹھے اور بیٹھے نہیں۔ (طحاوی ج ۲ ص ۴۴۴)

(۵) حضرت ابو مالک اشعریؓ نے اپنے سارے قبیلہ کو اکٹھا کر کے رسول اقدسؐ والی نماز سکھائی نہ تو اس میں پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ رفع یدین کیا اور نہ ہی جلسہ استراحت کیا۔ (مسند احمد)

(۶) امام شعبیؒ (جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت کی) فرماتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور آنحضرت ﷺ کے صحابہ نماز میں اپنے قدموں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۸۹)

(۷) حضرت نعمان بن ابی عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے

بہت سے صحابہ کو پایا وہ جب نماز میں پہلی اور تیسری رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو ایسے کھڑے ہوتے گویا بیٹھے ہی نہیں۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی نماز میں جلسہ استراحت نہیں کیا کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۷۸)

(۹) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نماز میں جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے۔
(ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۶۳)

(۱۰) ان کے علاوہ حضرت ابوسعید خدریؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔
(بیہقی، نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۸۹)

جہالت یا کتمان حق

حکیم صادق صاحب یا تو ان دلائل سے جاہل ہیں جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ترک جلسہ استراحت ہی سنت ہے یہ حضورؐ کی بھی سنت ہے خلفائے راشدین کی بھی صحابہ کی بھی اور تابعین و تبع تابعین کے دور میں بھی نماز کا یہ طریقہ رائج تھا۔ اگر واقعی وہ جاہل ہیں تو انہیں خوف کرنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جہالت سے فیصلہ کرنے والا دوزخی ہے (ابوداؤد) اور اگر انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے حق کو چھپایا ہے تو یہ طریق یہود ہے اور جان بوجھ کر غلط فیصلہ دینے والوں کو بھی آنحضرت ﷺ نے دوزخی فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

اگر صادق صاحب اپنی ضد پر قائم رہنا چاہیں تو انہیں صاحب ہدایہ پر اعتراض کرنے سے پہلے یوں عنوان باندھنے چاہئیں۔ فعل رسولؐ اور حضرت عمرؓ و علیؓ کا اختلاف سنت رسولؐ اور صحابہ کا اختلاف۔ سبیل رسول اور تابعین کا انحراف تاکہ آپ کا کام بھی بڑا اور نام بھی بڑا ہو۔ لوگوں کو پتہ چلے کہ صادق صاحب اتنے بڑے عالم ہو گئے ہیں کہ معاذ اللہ صحابۂ رسول اور رسول پاکؐ کی مخالفت بھی ثابت کر سکتے ہیں۔

صادق صاحب ظاہر ہے کہ حدیث مالک بن الحویرثؓ میں جلسہ استراحت

کرنے کا ذکر ہے۔اور دوسری احادیث میں نہ کرنے کا اب اس ظاہری تعارض کو کیسے رفع کیا جائے۔آپ کے نزدیک دلیل شرعی صرف قرآن و حدیث ہے آپ اس تعارض کا حل قرآن وحدیث سے پیش کریں اگر آپ کے نزدیک ایک صحیح باقی ضعیف ہیں تو یہ بھی حدیث سے ثابت کریں۔کسی امتی کا قول پیش کر کے مشرک نہ بنیں اگر ایک ناسخ اور باقی منسوخ ہیں تو بھی صحیح حدیث سے ثابت کریں۔ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں اس بارہ میں کوئی فیصلہ موجود نہیں نہ صحیح ضعیف کا نہ ناسخ منسوخ کا نہ باری باری دونوں پر عمل کرنے کا۔اب جو فیصلہ کتاب وسنت سے نہ ملے ہمارے نزدیک حدیث معاذؓ کے موافق اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔مجتہد نے خیر القرون کے تعامل کے پیش نظر کہ قدرت طاقت والے جلسہ استراحت نہیں کرتے اور بوڑھے معذور جیسے حضرت عمرو بن سلمہ کرتے ہیں دونوں قسم کی احادیث پر عمل کا طریقہ سکھا دیا کہ حالت قدرت میں جلسہ استراحت نہ کرنے والی حدیث پر عمل کرو اور عذر میں جلسہ استراحت والی حدیث پر اب جو دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کریں ان کو حدیث کا مخالف اور جو احادیث میں خیانت کرے اس کو اہل حدیث کہا جائے۔

بر عکس نہند نام زنگی کا فور

(۱۵) مسئلہ تیمّم (سبیل الرسول ص ۲۵۳،۲۵۲)

حکیم محمد صادق صاحب نے فقہ وحدیث کا اختلاف ثابت کرنے کے لئے مسئلہ تیمّم بھی بیان کیا ہے کہ حدیث کہتی ہے تیمّم ایک ضرب سے ہو اور فقہ کہتی ہے تیمّم دو ضرب سے ہو۔

(ا) نقل حدیث میں فریب:۔ حکیم صاحب نے حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث کا ٹکڑا نقل کیا ہے۔ حالانکہ اس کے تمام طرق حکیم صاحب کو پیش کر کے اس اضطراب کو ختم کرنا چاہئے تھا۔

(الف) ایک ضرب سے تیمّم کرے اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے۔

(بخاری ج ا ص ۴۸، مسلم ج ا ص ۱۱۶)

(ب) تیمّم دو ضرب سے کرنا۔ ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں سے کندھوں اور بغلوں تک کے لئے۔

(ابوداؤد ج ا ص ۵۱، نسائی ج ا ص ۶۰، طحاوی ج ا ص ۶۶، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۳)

(ج) تیمّم دو ضرب ہے ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ رواہ البزار فی مسندہ۔

(نصب الرایہ ج ا ص ۱۵۴) قال الحافظ ابن حجر باسناد حسن (الدرایہ ص ۳۶)

حکیم صاحب کا فرض تھا کہ وہ پہلے اس حدیث کے مکمل طرق نقل کرتے پھر ایک طریق کو قبول اور دو طریقوں کو رد کرنے کی وجہ کسی حدیث صحیح سے بیان کرتے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فلاں طریق قبول کر لینا کہ وہ صحیح ہے اور فلاں فلاں دو طریق حدیثوں کے رد کر دینا کہ وہ ضعیف ہیں لیکن حکیم صاحب نے نقل میں خیانت سے کام لیا ایک طریق بتایا اور دو کو چھپایا۔

عجیب بات ہے کہ حکیم صاحب نے بھی حضرت عمار بن یاسرؓ کے ایک ہی طریق کو مانا اور دو کو بلاوجہ بیان کئے چھوڑا تو وہ اہل حدیث رہے ہم نے بھی اس کے

ایک طریق پر عمل کیا مگر ہمیں حدیث کا مخالف کہا گیا۔ احناف نے جن دو طریق کو چھوڑا اس کی با قاعدہ وجہ بیان کی ہے۔ فقیہ شہیر محدث کبیر امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں کندھوں تک مسح کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ نزول آیت سے پہلے صحابہؓ کی اپنی اپنی رائے تھی۔ چنانچہ امام طحاویؒ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حدیث نقل فرماتے ہیں کہ میرا ہار سفر میں گم ہو گیا صحابہؓ ہار کی تلاش میں گئے جب نماز کا وقت ہوا تو پانی نہ ملنے کی وجہ سے صحابہ نے تیمّم کیا۔ کسی نے صرف ہتھیلیوں تک۔ کسی نے کندھوں تک پس یہ بات جب آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ پر آیت تیمّم نازل ہوئی (طحاوی ص ۸۰ ج ۱) معلوم ہوا کہ یہ بعض صحابہؓ کا اپنا عمل تھا۔

جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے خود صحابہؓ کو تیمّم کا طریقہ سکھایا۔ ''چنانچہ حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ میں ان ہی لوگوں میں تھا جب کہ تیمّم کی رخصت نازل ہوئی پس ہمیں حکم دیا گیا اور ہم نے ایک ضرب سے چہرے کا مسح کیا اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا۔

(رواہ البزار باسناد حسن الدرایہ لحافظ ابن حجر ص ۳۶)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ قرآن پاک کے بھی موافق ہے کیونکہ قرآن پاک میں پہلے وضو کا حکم ہے پھر پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کو وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے وضو میں چار فرائض کا ذکر تھا تیمّم میں ان میں سے دو ساقط فرما دیئے اور دو کو باقی رکھا ان کی کیفیت اصل وضو کے موافق ہونی چاہیے تاکہ وہ ان کے قائم مقام کہلا سکیں۔ اب وضو میں حکم ہے ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ...﴾ تم اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک۔ اور تیمّم کے بارہ میں فرمایا ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ مِنْهُ...﴾ مسح کرو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اب ظاہر ہے کہ وضو میں چہرہ کو دھونے اور ہاتھوں کو دھونے کے لئے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے اس لئے تیمّم میں بھی چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے لئے الگ الگ ضرب ہو

گی اور وضو میں پورے چہرے کو دھویا جاتا ہے تو تیمّم میں بھی چہرے کا تو پورا مسح ہوگا مگر ہاتھوں کا کہنیوں تک تاکہ تیمّم وضو کا ان دونوں فرضوں میں پورا پورا قائم مقام رہے (طحاوی ج ۱ ص ۸۱) رہا حضرت عمار بن یاسرؓ کا وہ طریق جو حکیم صاحب نے بیان کیا ہے۔ یہ بعد کا ہے۔ جب حضرت عمار بن یاسرؓ کو تیمّم کا طریقہ تو آتا تھا مگر وہ اس کو صرف وضو کے تیمّم کا طریقہ سمجھتے تھے جب ان پر غسل فرض ہوا اور پانی نہ ملا تو وہ سارے کپڑے اتار کر زمین پر لوٹے پھر آ کر یہ واقعہ رسول اقدس ﷺ کو سنایا۔ آنحضرتؐ نے سمجھایا کہ غسل اور وضو کے تیمّم میں کوئی فرق نہیں چونکہ طریقہ پہلے حضرت عمارؓ جانتے تھے اس لئے اختصار کے ساتھ حضورؐ نے اشارہ فرما دیا۔

صاحب ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں فریب:۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ''تیمّم دو ضربوں سے ہے ایک کے ساتھ چہرے کا مسح کرے اور دوسری کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ تیمّم دو ضربوں کے ساتھ ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے (ص ۵۰) دیکھئے صاحب ہدایہ نے صاف طور پر فرمایا تھا کہ یہ طریق فرمان رسول سے ثابت ہے لیکن حکیم صاحب نے بالکل المعترض کا لاعمیٰ کا کردار ادا کیا اور اس عبارت کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی نقل نہ کیا۔ جو سبیلِ رسول نہیں بلکہ سبیلِ یہود ہے۔ یہ فریب اور خیانت کی کتنی بھونڈی مثال ہے لا دین لمن لا عھد لہ یاد نہیں ہے؟

احناف کے دلائل:۔

(۱) حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت مسند بزار کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں قال رسول اللہ ﷺ وسلم اَلتَّیَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَۃٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَۃٌ لِلْیَدَیْنِ اِلٰی الْمِرْفَقَیْنِ۔

(رواہ الحاکم و الدار قطنی)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیمّم دوضربوں سے ہے ایک ضرب چہرہ کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے بعد لوگوں کو تیمّم کا یہی طریقہ سکھاتے رہے ان کا یہ فتویٰ مصنف عبدالرزاق ج ا ص ۲۱۲ پر تین سندوں سے ہے اور عبدالرزاق فرماتے ہیں بِہٖ نَاخُذ نیز طحاوی ج ا ص ۸۱ اور دارقطنی میں بھی ذکر ہے۔

(۴) **عن جابرؓ عن النبی ﷺ قَالَ اَلتیَمَّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَۃٌ للوجہ وَضَرْبَۃٌ لِلذِّرَاعَیْنِ اِلٰی الْمِرْفَقَیْنِ.(مستدرک حاکم وقال صحیح الاسناد ج ا ص ۱۸۰ وقال الذہبی اسنادہ صحیح۔**

(تلخیص المستدرک ج ا ص ۱۸۰)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا تیمّم دوضربوں سے ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری دونوں بازوؤں کے لئے کہنیوں تک حاکم اورذہبی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۵) حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی اسی طریقہ سے تیمّم سکھایا کرتے تھے چنانچہ آپؓ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے بتایا کہ مجھ پر غسل فرض تھا میں تیمّم کی نیت سے مٹی پر لوٹا حضرت جابرؓ نے فرمایا تو گدھا بن گیا تھا پھر اس کو دوضربوں سے تیمّم کا یہی طریقہ سکھایا جو اوپر حدیث میں ہے۔ (طحاوی ج ا ص ۸۱)

نوٹ: صحابہؓ کے یہ فتاویٰ بھی حکماً مرفوع ہیں کیونکہ غیر مدرک بالقیاس ہیں۔

(۶) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے ہار گم ہونے کی وجہ سے اسی موقعہ پر آیت تیمّم نازل ہوئی فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اَلتَّیَمَّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَۃٌ لِلْوَجْہِ وَضَرْبَۃٌ لِلْیَدَیْنِ اِلٰی الْمِرْفَقَیْنِ. (رواہ البزار فی مسندہ زیلعی ج ا ص ۱۵۱) تیمّم دوضربوں سے ہے ایک چہرے کے لئے دوسری کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بیت الخلاء سے نکلے ایک راہ گیر نے آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے دوضربوں سے تیمّم کر کے اس آدمی کو سلام کا جواب دیا جب کہ وہ گلی کے موڑ سے چھپنے والا تھا (ابوداؤد ج اص ۵۳ طحاوی ج اص ۶۴، دارقطنی ج اص ۶۵، الطیاسی ج اص ۲۵۳، بیہقی ج اص ۲۰۶) اگر ایک ضرب سے تیمّم کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس جلدی کے موقع پر ضرور اختصار سے کام لیتے اذالیس فلیس۔

(۸) حضرت اسلعؓ بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جس میں آیت تیمّم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت اسلعؓ کو حکم دیا۔ یا اسلعؓ قُمْ فَتَيَمَّمْ صَعِيْدًا طَيِّباً ضَرْبَتَيْنِ ضَرْبَةً لِوَجْهِكَ وَضَرْبَةً لِذِرَاعَيْكَ ظَاهِرُهُمَا وَبَاطِنُهُمَا الحديث (طحاوی ج اص ۸۱) اے اسلعؓ کھڑا ہو اور پاک مٹی سے تیمّم کر ایک ضرب اپنے چہرے کے لئے اور دوسری ضرب اپنے بازوؤں کے لئے اندر باہر دونوں طرف یہ روایت اس طرح بھی ہے کہ ربیع کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے دوضربوں سے تیمّم کر کے دکھایا۔ میرے ابا کو میرے دادا نے اس طرح تیمّم کر کے دکھایا میرے دادا کو حضرت اسلعؓ نے اسی طرح تیمّم کر کے دکھایا اور حضرت اسلعؓ فرماتے ہیں مجھے اس طرح رسول اقدس ﷺ نے تیمّم کر کے دکھایا۔

(اخرجہ طبرانی والدارقطنی والبیہقی زیلعی ج اص ۱۵۲)

(۹) حضرت ابوجہمؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیوار پر ہاتھ مار کر پہلے چہرے مبارک پر مسح فرمایا پھر دوسری ضرب کے بعد اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرما کر میرے سلام کا جواب دیا۔ (دارقطنی ج اص ۶۵)

(۱۰) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کچھ جنگل کے رہنے والے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ...... تو آپؐ نے ان کو تیمّم کا طریقہ خود اس طرح سکھایا کہ زمین پر ایک ضرب لگا کر چہرہ مبارک کا مسح فرمایا اور پھر زمین پر دوسری ضرب لگا

کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرمایا۔ (بیہقی ج اص ۲۰۶)

(۱۱) حضرت علیؓ نے تیمّم کا طریقہ یوں بیان فرمایا کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

(کنزالعمال حدیث نمبر ۲۹۳۲) بحوالہ (عب)

نوٹ: عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں رسغین ہے اور صاحب کنز العمال کے نسخہ میں مرفقین ہے۔اب مرفقین تک مسح کرنے میں رسغین بھی یقیناً شامل ہو جاتے ہیں۔

(۱۲) حضرت امام حسن بصریؒ بھی تیمّم کا یہی طریقہ سکھایا کرتے تھے کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

(عبدالرزاق ج اص ۲۱۲ طحاوی ج اص ۸۱)

الغرض حجاز میں حضرت ابن عمرؓ اور عراق میں حضرت علیؓ بصرہ میں حضرت امام حسن بصریؒ یہی طریقہ سکھایا کرتے تھے۔

(۱۳) یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام سفیان ثوریؒ امام شافعیؒ امام لیث بن سعد مصریؒ اور عام فقہاء کا ہے اور ابن المنذ رنے یہی مذہب حضرت علیؓ۔حضرت ابن عمرؓ حضرت بصری امام شعبی اور سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کمافی شرح المھذب ج ۲ ص ۲۱۰ للنوویؒ قال وھو قول اکثر العلماء۔(بحوالہ معارف السنن ج اص ۴۷۸) امام مالک کا یہی مسلک قواعد ابن رشد ج اص ۵۶ اور المدونۃ الکبریٰ ج اص ۴۶ پر مذکور ہے۔

حکیم صاحب اگر ان احادیث کو ضعیف ثابت کرنا چاہیں تو صراحۃً نبی معصومؐ سے اپنی روایت کا صحیح ہونا اور باقی سب احادیث کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیں کسی غیر معصوم امتی کا قول ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ اس کے نزدیک کسی غیر معصوم امتی کا قول دلیل شرعی نہیں۔رہا ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے صراحۃً کسی ایک حدیث کی ترجیح ثابت نہ ہو تو وہ "فان لم تجدفیه" میں شامل ہے اور اب

باجازت رسول ﷺ مجتہد کی طرف رجوع ہوگا چنانچہ ہم نے خیر القرون کے مجتہد اعظم امام ابوحنیفہؒ کی طرف رجوع کیا انہوں نے خیر القرون کے تعامل اور کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر دوضربوں سے تیمم والی احادیث پر عمل کیا اور کروایا کیونکہ خیر القرون میں بلانکیر اسی پر عمل جاری تھا۔ اب خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں کسی مابعد خیر القرون کے امتی کے اقوال کو پیش کرنا گویا حدیث خیر القرون کی کھلم کھلا مخالفت ہے۔

اور صادق صاحب یہ بھی یادرکھیں کہ احناف کو کسی ایک حدیث کی مخالفت کا بھی کھٹکا نہیں کیونکہ جب دوضرب سے تیمم کرتے ہیں تو ان دو میں ایک ضرب یقیناً آجاتی ہے اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے اور جب وہ کہنیوں تک مسح کرتے ہیں تو اس میں ہتھیلیاں اور پہونچے یقیناً آجاتے ہیں اور اس طرح اس طریقہ تیمم میں سب احادیث پر عمل ہے اور کسی حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

حکیم صاحب نے ایڑی سے چوٹی تک زور لگالیا لیکن اس مسئلہ کو خلاف حدیث ثابت نہ کرسکے بلکہ خود نقل حدیث میں بھی خیانت کی اور لا ایمان لمن لا امانة له (الحدیث) کو پس پشت ڈال دیا اور فقہ کی عبارت کے نقل کرنے میں بھی خیانت کی اور لا دین لمن لا دیانة له کے موافق دین و دیانت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس کو کہتے ہیں "پرائے شگون کے لئے اپنی ناک کٹوانا" اور ہمارا اعتقاد فقہ پر اور پختہ ہوگیا کہ جب حکیم صاحب جیسے لوگ بھی فقہ پر معقول اعتراض نہیں کرسکے جو فقہ کی ضد میں دین و دیانت بھی داؤ پر لگائے بیٹھے ہیں تو فقہ یقیناً خیر ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا من یرد اللہ بہٖ خیراً یفقهه فی الدین (بخاری)

(۱۶) پگڑی پر مسح

حکیم صاحب نے ص ۲۵۳ پر حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے نمبر ۱۶ پر یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔

خاتم النبین ﷺ کا عمل

عَنِ الْمُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ ان النَّبِىَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ. (صحیح مسلم)

مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے وضو کرتے وقت پیشانی (کے اوپر کے بالوں) پر اور پگڑی پر۔ اور موزوں پر مسح کیا۔

فقہ کا اختلاف

وَلا يَجُوزُ الْمَسحُ عَلَى الْعِمَامَةِ. (ہدایہ کتاب الطہارت)

اور نہیں جائز مسح کرنا پگڑی پر۔

جواب

یہ مسئلہ بھی ظفر المبین حصہ اول ص ۳۷ سے سرقہ کیا ہے اس کا جواب بھی فتح المبین میں دیکھیں ہم یہاں پر مختصر ہی نقل کرتے ہیں حکیم صاحب نے جو حدیث بیان کی ہے وہ بالکل ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس حدیث میں صرف پگڑی کے مسح کا ذکر نہیں بلکہ ساتھ ناصیہ کا ذکر بھی ہے اور ناصیہ کا ترجمہ خود حکیم صاحب نے (پیشانی کے اوپر کے بالوں) کیا ہے ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ اگر سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کر لیا۔ اور بقایا پورے سر کا مسح پگڑی پر کر لیا تو اس طرح کرنا جائز ہے کیونکہ فرض تو ناصیہ پر کرنے سے پورا ہو گیا کیونکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ اور وضو ہو جائے گا۔

سر پر مسح کرنے کے دلائل

قرآن

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کھڑے ہو نماز کی طرف پس دھولو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں کو بھی ٹخنوں تک دھولو۔ (پ ۶ سورۃ المائدہ آیت (۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک

حدیث (۱)

امام بخاری نے بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں آتا ہے۔

ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِیَدَیْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَاْسِهٖ حَتّٰی ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰی قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَی الْمَكَانِ الَّذِیْ بَدَاَ مِنْهُ. (بخاری شریف ج ا ص ۳۱، مسلم ج ا ص ۱۳۲)

ترجمہ: پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا یعنی اپنے ہاتھ (پہلے) آگے لائے۔ پھر پیچھے لے گئے۔ (مسح) سر کے ابتدائی حصہ سے شروع کیا۔ پھر دونوں ہاتھ گدی تک لے جا کر وہیں واپس لائے جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔ قرآن مجید اور حضور اکرمؐ کے عمل مبارک سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سر پر مسح کرنا چاہیئے۔

اور حکیم صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں بھی **فمسح بنا صیته** کے الفاظ موجود ہیں۔

حدیث(۲)

اَخۡبَرَنَا مَالِکٌ قَالَ بَلَغَنِیۡ عَنۡ جابر بن عبداللہ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنِ الۡعِمَامَۃِ فَقَالَ لا حَتّٰی یَمَسَّ الشَّعۡرَ الۡمَآءُ قال محمد وَبِھٰذَا نَاۡخُذُ وَھُوَ قَوۡلُ اَبِیۡ حَنِیفۃ . (موطا امام محمد ص ۴۷، ۴۸)

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے جابرؓ بن عبداللہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ان سے عمامہ کے بارہ میں سوال کیا گیا انہوں نے کہا عمامہ کا مسح نہ کرے۔ جب تک سر کے بالوں کا پانی سے مسح نہ کرے۔

امام محمدؒ کہتے ہیں۔اس پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

حدیث(۳)

اخبرنا مالک حدثنا نافِع قال رَاَیۡتُ صَفِیَّۃَ ابۡنَۃَ اَبِی عُبَیۡدَۃَ تَتَوَضَّأُ وَ تنزَ عُ خِمَارَھَاثُمَّ تَمۡسَحُ بِرَأسِھَا قَالَ نَافِع وَاَنَا یَوۡمَئِذٍ صَغِیۡرٌ.

قال محمد وَبِھٰذَا نَاۡخُذُ لا یُمۡسَحُ عَلٰی الۡخِمَارِ وَلا الۡعِمَامَۃِ بَلَغَنآ اَنَّ الۡمَسۡحَ عَلٰی الۡعِمَامَۃِ کَانَ فَتُرِکَ وَھُوَ قَوۡلُ ابی حنیفۃ وَالۡعَامَّۃِ مِنۡ فُقَھَآئِنَا . (موطا امام محمد ص ۴۷، ۴۸)

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ ہم سے روایت کیا نافعؒ نے انہوں نے کہا کہ میں نے صفیہ بنت ابوعبیدہ (زوجہ عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھا کہ وہ اپنی اوڑھنی اتار کر سر کا مسح کرتی تھیں۔نافعؒ کہتے ہیں ان دنوں میں چھوٹا سا تھا امام محمد کہتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے کہ پگڑی اور اوڑھنی پر مسح نہ کیا جائے۔ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ابتداء میں عمامہ پر مسح تھا پھر ترک کر دیا گیا۔یہی امام ابوحنیفہؒ اور

ہمارے دوسرے علماء کا قول ہے۔

امام نوویؒ شافعی کا حوالہ

نووی شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں۔

وَلَو أقْتَصَرَ عَلٰی الْعَمَامَةِ وَلَمْ يَمْسَحْ شَيْأً مِنَ الرَّأسِ لَمْ يُجْزِهِ ذٰلِکَ عِنْدَنَا بِلاخِلافٍ وهو مذهب مالک وابی حنيفة واكثر العلماء. (نووی شرح مسلم شریف ج ا ص ۱۳۴)

یعنی اور اگر فقط عمامے کا مسح کیا اور سر کو مطلق چھوڑ دیا تو نہیں کافی ہوگا۔ نزدیک ہمارے بلا خلاف اور یہی مذہب ہے امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور اکثر علماء کا۔

(۱۷) شراب کا سرکہ بنانا

حکیم صاحب نے ص ۲۵۴ پر حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے نمبر ۱۷ پر اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں حرمت

عن انس ان النبی ﷺ سئل عن الخمر يتخذ خلا فقال لا (مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ شراب کا سرکہ بنالیا جائے آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

فقہ کا اختلاف

وَاِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَآءٌ صَارَتْ خَلا بِنَفْسِهَا اَوْبِشَيْئٍ يُّطْرَحُ فِيْهَا وَلا يُكْرَهُ تَخْلِيْلُهَا. (ہدایہ کتاب الاشربہ)

شراب کا جب سرکہ بن گیا تو شراب حلال ہوگئی۔ آپ ہی سرکہ

بن جائے یا کسی چیز کے ملانے سے سرکہ بنالیا جائے۔ (حلال ہے) اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔

جواب

یہ مسئلہ بھی ظفر المبین حصہ اول ص ۶۷ وص ۲۴۰ سے سرقہ کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی اسی زمانہ میں فتح المبین حصہ اول ص ۶۴ میں دیا گیا ہم وہ ہی یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

اقول

کہا علامہ عینی نے شرح کنز الدّ قائق میں (حاشیہ کنز الدّ قائق صفحہ ۳۵ مطبوعہ بمبئی) کہ ہماری دلیل قول اللہ تعالیٰ کا ہے! کہ حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاک چیزیں اور تحقیق عین شراب کا متغیر ہو گیا ہے اور سرکہ بالطبع پاک ہوتا ہے تو حلال ہوگا اور دوسری دلیل قول علیہ السلام کا اچھا نان خورش سرکہ ہے روایت کیا اس کو مسلم نے اور یہ مطلق ہے پس شامل ہوگا اس کی تمام صورتوں کو اور مراد نہی سے جو کہ حدیث میں وارد ہے یہ ہے کہ شراب کا استعمال سرکے کا ساہو باین طور کہ اس سے نفع مثل سرکہ کے لیا جائے مثل نان خورش بنانے وغیرہ کے اگر کہے تو کہ روایت کی ابوداؤد اور امام احمد نے انس سے کہ ابوطلحہ نے سوال کیا نبی ﷺ سے کہ یتیم شراب کے وارث ہو گئے ہیں فرمایا بٹا دو اس کو عرض کیا گیا سرکہ اس کا نہ بنالیں فرمایا نہیں میں کہتا ہوں روایتیں آپس میں مختلف آئی ہیں ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ فرمایا آپ نے سرکہ بنا لو اس کا پس حجت نہیں ہوسکتی اور اگر ثابت ہو جیسا کہ کہا انہوں نے حمل کیا جائے گا اس پر کہ ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی جس وقت کہ آنحضرت ﷺ بابت خمر کے مبالغہ فرماتے تھے واسطے زجران کے اور واسطے چھوڑ دینے عادت مالوفہ کے کیا نہیں جانتا تو کہ آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا مٹکے توڑنے کا اگرچہ اب جائز نہیں اسی طرح سرکہ بنانے کو سمجھنا چاہیئے۔ انتہی

اور شرح مسلم میں لکھا کہ یہ مذہب اوزاعی اور لیث کا ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت میں یہ آیا ہے۔ انتہی۔

(۱۸) کتے کی خرید وفروخت

حکیم صاحب نے ص ۲۵۵ پر حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے اس مسئلہ کو نقل کیا ہے۔

حدیث میں حرام

عن ابی مسعودنِ الانصاریّ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہٰی عَنْ ثَمنِ الْکَلْبِ وَمَھْرِ الْبَغِیِ وَحُلْوَانِ الْکَاھِنِ.

(مشکوٰۃ کتاب البیوع بحوالہ بخاری۔ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت زانیہ کی زنا کی اجرت اور کاہن کے حلوا (شیرینی) سے منع کیا ہے۔

فقہ کا اختلاف

یجوز بیع الکلب (ہدایہ کتاب البیوع)

کتے کی خرید وفروخت جائز ہے۔

جواب

یہ مسئلہ بھی حکیم صاحب نے ظفر المبین ص ۱۶۵ و ص ۲۴۳ حصہ اول سے سرقہ کیا ہے اس کا مفصل جواب فتح المبین ص ۱۶۷ تا ص ۱۷۰ پر موجود ہے۔ یہاں پر ہم مختصر نقل کرتے ہیں۔

شریعت میں کتے کا حکم تدریجاً نازل ہوا ہے۔

قرآن

آیت: ﴿فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ...﴾
تو کھاؤ اس شکار میں سے جو وہ (شکاری کتے وغیرہ) مار کر تمہارے لئے رہنے دیں۔ اور اس پر اللہ کا نام لو۔ (المائدہ)

حدیث (۱)

ابن المغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم سید عالم ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ثُمَّ رَخَّصَ فِيْ كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ پھر شکاری کتے کی اور بکریوں کے محافظ کی رخصت دے دی۔ (مسلم ج۲ ص ۲۵)

حدیث (۲)

آنحضرت ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اِذَا اَرْسَلْتَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ فَاَخَذَ فَكُلْ جب تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سدھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑے اور کتا اسے پکڑ لے تو ایسے شکار کا کھانا تیرے لئے جائز ہے۔ (نسائی جلد۲ ص ۱۹۲)

حدیث (۳)

ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۱)

حدیث (۴)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ شکاری کتے کی قیمت سے منع نہیں فرمایا۔ (نسائی ص ۱۹۵، بیہقی ج ۶ ص ۱۱)

حدیث (۵)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ حضور ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت لینے کی اجازت دی۔
(مسند امام اعظم ص ۱۶۹)

معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر مفید اور غیر مضر کتوں کے حق میں یہ حکم فرما دیا گیا بلکہ جو کتا شکار کر سکتا ہے اس کے شکار کو بھی قرآن و حدیث نے حلال قرار دیا۔ علماء احناف کی نظر چونکہ قرآن مجید پر اور سب حدیثوں پر ہے اور مختلف حدیثوں میں تطبیق دینے کی بفضلہٖ تعالیٰ بہت بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ جو کتے ضرر نہیں دیتے اور فائدہ دے سکتے ہیں ان کی خرید و فروخت بمطابق حدیث نمبر ۴۔ نمبر ۵ منع نہیں جائز ہے جو کچھ ان حدیثوں سے ثابت ہوا ہے وہی کچھ فتاوی عالمگیری میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہابیہ نے دھوکہ دینے کے لئے نقل عبارت فتاویٰ میں مجرمانہ خیانت کی ہے اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

بَیعُ الْکَلْبِ الْمُعَلَّمِ جَائِزٌ.........وَبَیعُ الْکَلْبِ الْغَیرِ الْمُعَلَّمِ یَجُوْزُ اِذَا کَانَ قَابِلاً وَاِلَّا فَلا هُوَ الصَّحِیْحُ. جو کتا شکار کے لئے سدھایا گیا ہو یا سدھایا جا سکتا ہو صرف اس کی بیع جائز ہے۔ اور جو ایسا نہیں اس کی خرید و فروخت منع ہے یہی صحیح ہے۔ (جلد نمبر ۳ ص ۱۱۴)

سوال

حدیث نمبر ۴ کو نسائی شریف میں "لیس هو بصحیح" کہا گیا ہے۔

الجواب

لیکن محدث نسائی علیہ الرحمۃ نے "الرُّخصَةَ فِیْ ثَمَنِ الْکَلْبِ" کا عنوان قائم کر کے اس حدیث سے شکاری کتے کی قیمت کا جواز ثابت کیا ہے معلوم ہوا کہ محدث مذکور کے نزدیک یہ حدیث "لیس هو بصحیح" کہلانے کے باوجود درجہ استدلال و احتجاج سے ساقط نہیں کیونکہ ماہرین اصول حدیث جانتے ہیں کہ عدم صحت سند مضمون حدیث کی عدم صحت کو مستلزم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۳ و مشکوٰۃ ص ۲۷۵ میں ایک لمبی حدیث کو "لایصح من قبل اسناده" کہا گیا ہے جس کا مضمون سورۃ النساء ۴ آیت نمبر ۱ کے موافق ہونے کی وجہ سے بالکل صحیح ہے۔

نیز حدیث نمبر ۵ نے "الاحادیث بعضها تقوی بعضا" کے ضابطہ کے تحت اس حدیث کو مستحکم کر دیا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث کی جن مقدس نصوص نے کتے کے شکار کو حلال قرار دیا ہے انہی کے ضمن میں اس کی خریداری کا جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے اور حدیث نسائی کو مزید تقویت مل جاتی ہے کیونکہ اسلام مجموعہ اضداد کا نام نہیں کہ کتے کا شکار تو حلال ہو اور اس کی خریداری حرام اور قیمت ممنوع ہو۔

بنا بریں ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کتے کو قتل کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے قَضٰی فِیْ کَلْبِ صَیْدٍ قَتَلَهٗ رَجُلٌ بِاَرْبَعِیْنَ دِرْهَماً فیصلہ فرمایا کہ کتے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم ادا کرے (بیہقی ص ۸ جلد ۶ طحاوی جلد ۲ ص ۲۲۸) اگر شکاری کتے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو مندرجہ بالا فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا۔

(۱۹) متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء

(نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں فرض نماز)

حکیم صاحب نے ص ۲۵۶ پر حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے اِس مسئلہ کو بھی پیش کیا ہے۔

حدیث میں جواز

عن جابر قال کان مُعَاذُبْنُ جَبَلٌ یُصَلِّیْ مَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ یَاْتِیْ قَوْمَهٗ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ. (بخاری۔ مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز (عشاء) پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کے پاس جا کر ان کی امامت کراتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ متنفل امام کے پیچھے مفترض مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے گویا یہ امت کے لئے آسانی ہے لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ دیکھئے۔

فقہ کا اختلاف

وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ ۔ (کتب فقہ)

اور فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی۔

جواب

یہ مسئلہ بھی حکیم صاحب نے ظفر المبین حصہ دوم ص ۵۲ سے سرقہ کیا ہے۔
اس کا جواب ہماری طرف سے کئی بار دیا جا چکا ہے۔

(۱) حکیم صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں کسی نماز کا ذکر نہ تھا مگر حکیم صاحب نے ترجمہ میں عشاء کا لفظ اپنے پاس سے بخاری مسلم سے بڑھا دیا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کس نیت سے پڑھتے اس کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ نیت تو ایک باطنی امر ہے اس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا۔ جب تک نیت کرنے والا خود نہ بتائے۔ اس لئے یہ بات درست ہو گی کہ حضرت معاذؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں تا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے نماز کا طریقہ سیکھ سکیں، اور آپ کے پیچھے نماز پڑھ کر برکت حاصل کر سکیں اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر فرض نماز پڑھاتے ہوں۔ جب اس بات کا احتمال ہے تو دوسرے حضرات کا استدلال درست نہ ہو گا۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایک صحابی رسول کے فعل کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو متفق علیہ ہے زیادہ بہتر ہو گا ایک ایسے معنی پر محمول کرنے سے جو مختلف فیہ ہے (چنانچہ نفل نماز کی نیت کے ساتھ اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جو فرض نماز پڑھ رہا ہو۔ بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے لیکن نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف مالکیہ حنابلہ اس کے قائل نہیں)

نیز مسند احمد کی روایت میں یہ ہے۔

عن مَعَاذ بن رِفَاعَةَ عَنْ سَلِيمٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ قَالَ

رسول اللہ ﷺ یَامَعَاذ بن جَبَلٍ لَاتَکُن فَتَّانًا اِمَّااَنْ تُصَلِّیَ مَعِیَ وَاِمَّآ اَنْ تُخَفِّفَ عَلٰی قَوْمِکَ (مسند احمد ج۵ ص۷۴)

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا اے معاذ بن جبل! یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو اور یا پھر اپنی قوم کے ساتھ ہلکی نماز پڑھو۔

اس کا معنی یہی ہے کہ یا تو تم فرض نماز میرے ساتھ پڑھو اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ فرض نہ پڑھو، اور یا میرے ساتھ فرض نہ پڑھو تاکہ وہ تمہارا انتظار نہ کریں۔

چنانچہ امام عبدالسلام ابن تیمیہؒ جو اکابر حنابلہ میں سے ہیں (صاحب منتقی) کہتے ہیں۔

وَقَدِاحْتَجَّ بِہٖ بَعْضُ مَنْ مَّنَعَ اِقْتِدَآءِ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ قَالَ لِاَنَّہٗ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ مَتٰی صَلّٰی مَعَہٗ اِمْتَنَعَتْ اِمَامَتُہٗ وَبِالْاِجْمَاعِ لَاتَمْتَنِعُ صَلَاۃِ النَّفْلِ مَعَہٗ فَعُلِمَ اَنَّہٗ اَرَادَ بِھٰذَا الْقَوْلِ صَلَاۃَ الْفَرضِ وَاِنَّ الَّذِی کَانَ یُصَلِّیْ مَعَہٗ کَانَ یَنْوِیْہِ نَفْلاً۔ (منتقی مترجم ج۱ ص۵۷۸)

جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز کو درست نہیں قرار دیتے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث میں دلالت ہے اس بات پر کہ فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی کیونکہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو پھر ان کی امامت ممنوع ہوگی حصر والی تقسیم کا یہی مقتضی ہے۔

اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے، اگر وہ آپ کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھیں تو پھر ان کی امامت ممنوع نہ ہوگی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ معاذؓ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مامور تھے، کہ

وہ اپنی قوم کو امامت کرائیں۔ تو ظاہر ہے وہ فرض نماز یقیناً اپنی قوم کے ہمراہ جماعت کے ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔ (شرح نقایہ ج ۱ ص ۸۸)

(۳) اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذؓ نے یہ کام حضور اکرم کی اجازت سے کیا ہو اور حضور اکرمؐ نے آپ کو اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو۔ اور نفل کی نیت سے اپنے مقتدیوں کو پڑھا دیا کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ حضرت معاذؓ کا عمل تھا مگر جب حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت معاذؓ کو منع فرمادیا۔

(۲۰) جماعت کھڑی ہونے پر سنتیں پڑھنا

حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۳۶۱ پر حدیث اور فقہ کا اختلاف ثابت کرنے کے لئے ۲۰ نمبر پر ذکر کیا ہے۔

ممانعت رسولؐ

عن ابی هريرة قال قال النبی ﷺ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ. (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب فرض نماز (کی جماعت) کھڑی ہو جائے تو اس فرض نماز کے سوا اور نماز (پاس) نہیں ہوتی۔

فقہ کا اختلاف

مَنِ انْتَهٰى اِلَى الْاِمَامِ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَهُوَلَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِاِنْ خَشِيَ اَنْ تَفُوْتَهُ رَكْعَةٌ وَيُدْرِكَ الْاُخْرٰى يُصَلِّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ. (ہدایہ)

صبح کی نماز باجماعت ہو رہی ہو تو جو شخص امام کے پاس پہنچے اور اس نے دو رکعت سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ ڈرے کہ ایک رکعت

فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت پالے گا۔ تو اسے (امام سے ہٹ کر) مسجد کے دروازے کے پاس دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے۔

جواب

حکیم صاحب نے یہ مسئلہ بھی ظفر المبین ص ۱۱۸ سے سرقہ کیا ہے۔ ہماری طرف سے اسی زمانے میں فتح المبین فی کشف غیر مقلدین ص ۱۲۴ تا ۱۲۶ میں اس کا جواب دے دیا گیا تھا۔ تفصیل وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر طور پر یہاں پر لکھا جاتا ہے۔

ادائے فجر

تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی سنتیں بوقت اقامت جماعت نہ پڑھیں۔ کیونکہ سنتیں بعد فرائض کے وقت میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں ہاں فجر کی سنتیں جمہور صحابہؓ و تابعین۔ امام ابو حنیفہؒ۔ امام ثوریؒ۔ امام مالکؒ فی روایۃ امام اوزاعی۔ امام حسن بصری امام مسروق۔ امام ابو یوسف امام محمد امام زفر کے نزدیک دو شرطوں سے پڑھی جاسکتی ہیں۔

(۱) خارج مسجد ہو یا جماعت اور مصلی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

(۲) ایک رکعت میں امام کے ساتھ مل جانے کا غالب گمان ہو۔

(۱) احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہی کہ فجر کی نماز کی سنتوں کی تاکید باقی سنتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۲۲ ج ۲ ص ۲۹)

(۲) نماز فجر کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۲۷، ۲۸)
تو اگر یہ سنتیں پہلے نہ پڑھی جائیں تو وقت میں پڑھنے کا موقع ہی نہ رہا۔

(۳) عدم قضاء تسمة من غير بنيسة الفوض. (معارف السنن ۴ ص ۸۴)

اس لئے احناف نے دلائل میں تطبیق کی ایسی کوشش کی کہ تطبیق بھی ہو جائے اور تمام فضیلتیں بھی حاصل ہو جائیں۔

حدیث ابی ہریرہؓ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوۃ الاالمتکوبۃ

(مسلم ج ا ص ۲۴۷) اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں زکریا بن اسحاق، ایوب، ورقا بن عمر، زیاد بن سعد، اسماعیل بن مسلم اور محمد بن جحادہ، اس کو عمرو بن دینار عن عطا بن یسار عن ابی ہریرہ مرفوع نقل کرتے ہیں اور حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار سے موقوف نقل کرتے ہیں والمرفوع اصح حماد بن سلمہ (کتاب الام ج ا ص ۱۲۶ وحاشیہ الام ج ا ص ۱۲۹) ابن علیہ عند ابن ابی شیبہ ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع عند ابن ابی حاتم (معارف السنن ص ۲۶، ۲۸ ج ۴) بھی اس کو موقوف نقل کرتے ہیں محمد بن طاہر المقدسی نے بھی موقوف ہی قرار دیا ہے۔
(تذکرۃ الموضوعات ص ۶)

اسی اختلاف کی وجہ سے امام بخاریؒ نے صحیح میں اس کو سنداً روایت نہیں کیا۔
غالباً اسی اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو ترمذی نے صحیح کی بجائے حسن قرار دیا ہے۔ پھر خود ابو ہریرہؓ سے بسند صحیح لاتدعوا رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل (آثار السنن ج ا ص ۲۹) مروی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مرفوعاً من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ (مسلم ج ص ۲۲۱) اور انہیں سے مرفوعاً مروی ہے اذا کنتم فی المسجدفنودی بالصلوٰۃ فلایخرج احدکم حتی یصلی (رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵)

تو ان سب احادیث کو جمع کر لیا گیا کہ مسجد کے باہر یا درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو ایک رکعت مل سکنے کی صورت میں فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جائے سنتیں پڑھے تا کہ لو طردتکم الخیل کی مخالفت نہ ہو۔ بعض نے بواسطہ مسلم بن خالد زنجی عن عمرو بن دینار ولا رکعتی الفجر روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں ایک تو یحییٰ بن دینار کے سات شاگردوں پر زیادتی کر رہا ہے۔
(آثار السنن ج ۲ ص ۳۰)

اس کے برعکس بیہقیؒ نے بطریق لیث بن سعد عن عطاء عن ابی هریرة ان رسول اللہ ﷺ قَالَ اِذَااُقِيمَتِ الصَّلوٰةُ فَلاصَلوٰةَ اِلَّا الْمَكْتُوبَةُ اِلَّا رَكْعَتِي الصُّبح نقل کیا ہے اس کی سند میں حجاج بن نصیر مختلف فیہ ہے۔ (میزان ج ا ص ۴۶۵) اور عباد بن کثیر الرملی مختلف فیہ ہے (میزان ج ۲ ص ۴۷۰) پہلی روایت ولا ركعتی الفجر کو ابن عدی نے یحییٰ بن نصر کی منا کیر میں ذکر کیا ہے مگر اِلَّا رَكْعَتِي الصُّبح کو حجاج بن نصیر کی منا کیر میں ذکر نہیں کیا۔ اگر بالفرض دونوں حسن ہوں تو بھی لا ركعتی الفجر صفوں میں مل کر پڑھنے پر اور الا ركعتی الصبح علیحدہ پڑھنے پر محمول ہوں گی۔ عبداللہ بن مالک بن بحینہ بخاری ج ا ص ۹۱ مسلم ج ا ص ۲۴۷ پر ہے آنحضرت حجرہ سے جماعت کے لیئے مسجد میں آتے تھے آپ نے مسجد میں ہی کسی کو نماز پڑھتے دیکھا اور فرمایا لاتَجعَلُوا هٰذِهٖ مِثْلَ صَلوٰةِالظُّهرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا اِجْعَلُوا بَيْنَهُمَا فَصْلاً ج ا ص ۲۱۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۵ اور مسلم میں دوسری جگہ ہے۔ فان رسول اللہ ﷺ امرنا ان لانوصل صلوٰة بصلوٰة ج ا ص ۲۸۸ والعبرة لعموم اللفظ لالخصوص المورد۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بالکل جماعت کے ساتھ وصل نہ ہو بلکہ فاصلہ پر پڑھی جائیں۔

عن عبداللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول لاصلوٰة لِمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِد وَالْاِمَامُ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَلا يُنْفَرِدُ وَحْدَهٗ بِصَلوٰة وَلٰكِنْ يَدْخُلُ مَعَ الْاِمَامِ فِيْ الصَّلوٰةِ رواه الطبرانی فی الكبير و فيه يحيىٰ بن عبدالله البابلتی وهو ضعيف . (مجمع الزوائد ۲ ص ۷۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد سے باہر سنتیں پڑھ لیتے تھے اور مسجد میں آ کر جماعت میں مل جاتے تھے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۳۱، ۳۲، ۳۳)

عن انسؓ خرج النبی ﷺ واقيمت الصلوٰة فَرَأى نَاساً يُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ بِالْعُجْلَةِ فَقَالَ أَصَلا تَانِ مَعاً فَنَهٰى ان يُّصَلِّيَ فِيْ الْمَسْجِدِ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلوٰة.

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰، اور تعلیقاً پڑھنا بھی حاشیہ بخاری ص ۹۱) اپنا عمل پڑھنے کا تھا (آ ثار ج ۲ ص ۳۳) ابو موسیٰ منع روایت کرتے ہیں (آ ثار السنن ج ۲ ص ۳۰) مگر حضرت ابن مسعودؓ نے ان کے سامنے استوانہ کی اوٹ میں سنتیں پڑھیں تو انہوں نے منع نہیں فرمایا (آ ثار السنن ج ۲ ص ۳۲، ۳۳) معلوم ہوا ان کے نزدیک منع کی روایت ساتھ جماعت کے پڑھنے پر محمول ہے۔ عبداللہ بن سرجس کی روایت فی ناحیۃ المسجد بھی جماعت سے متصل پر محمول ہوگی۔ عہد صحابہ و تابعین میں مدینہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عام لوگ پڑھتے تھے خود حضرت ابن عمرؓ پڑھتے تھے کسی نے انکار نہ کیا۔ مکہ میں ابن عباسؓ کوفہ میں ابن مسعودؓ بصرہ میں حسن بصری وغیرہ پڑھتے تھے مگر کوئی انکار نہ کرتا تھا۔ (راجع طحاوی شرح معانی الآ ثار) بلکہ جو احادیث منع والی ہیں ان میں عہد نبوت میں سنتیں پڑھنے کا عام ذکر ملتا ہے آنحضرتؐ صرف ساتھ مل کر پڑھنے سے منع فرماتے تھے ایک بھی حدیث موجود نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی اوٹ میں پڑھنے والے کو منع کیا ہو۔ جو جماعت کا ثواب بھی پالے۔

اخرج احمد فی مسنده حدثنی عبدالله حدثنی ابو سعد و حسین بن محمد قالاحدثنا اسرائیل عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال کان رسول الله ﷺ یصلی رکعتی الفجر عند الاقامة (ج ا ص ۷۷) واخرج ابن ماجه فی باب ماجاء فی رکعتین قبل الفجر مِنْ طَرِيْقِ شَرِيْكٍ عَنْ ابی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال کان رسول الله ﷺ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْإِقَامَةِ (ص ۸ حارث الاعور میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۵) ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی زکوٰۃ الذهب والورق ج ۱ ص ۱۱۳۔

معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے سنت فجر پڑھ کر نمونہ پیش

فرما دیا۔ صحابہ حضورؐ کے زمانہ میں بھی پڑھتے تھے آپ صرف ساتھ مل کر پڑھنے سے روکتے تھے اور خلافت راشدہ و خیر القرون میں بلا نکیر اس پر عمل جاری تھا۔

(۲۱) حلالہ کی لعنت

حکیم صاحب نے ص ۲۶۴ پر حدیث اور فقہ کا تضاد ثابت کرنے کے لئے نمبر ۲۱ پر اس مسئلہ کو بھی ذکر کیا ہے۔

حلالہ کرنے والا ملعون ہے

عن عبد اللہ ابن مسعود قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ. (دارمی ابن ماجہ)

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لئے حلالہ کیا جائے۔

لیکن بعض اسلام کی روح کو مجروح کرنے والے ایسے مفتی بھی ہیں جو کہتے ہیں۔ فَاِنْ طَلَّقَھَا بَعْدَ وَطِیھَا حَلَّتْ لِلاَوَّلِ۔ (ہدایہ)

پھر اگر حلالہ کرنے والے نے صحبت کے بعد اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

جواب

حکیم صاحب نے اس مسئلے کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے کوئی عنوان قائم نہیں کیا حالانکہ پیچھے بیس مسئلوں میں ''فقہ کا اختلاف'' عنوان قائم کیا ہے مگر اس مسئلہ میں نہیں۔

حکیم صاحب نے صرف لفظ حلالہ پر اعتراض کیا ہے حالانکہ حلالہ کا مطلب ہے حلال ہونا۔ یعنی وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں۔ اب وہ اپنے خاوند کے لئے حرام ہوگئی ہے۔ اگر پھر دوبارہ وہ نکاح کرنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے اور وہ عورت

پہلے خاوند کے لئے کس طرح حلال ہو سکتی ہے۔اس کا حکم قرآن میں موجود ہے۔

حلالہ کا حکم قرآن میں

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾

(پ۲ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)

ترجمہ: پھر اگر اس نے طلاق دے دی عورت کو (یعنی تیسری مرتبہ) پس اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے یہاں تک وہ اس کے علاوہ کسی خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔ پھر اگر اس نے بھی طلاق دے دی اس عورت کو تو کوئی گناہ نہیں ہے ان دونوں پر کہ رجوع کریں اگر وہ گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس قوم کے لئے بیان کرتا ہے۔ جو علم رکھتے ہیں۔

اس آیت میں **فلا تحل لہ** ۔ کے الفاظ سے حلالہ کا لفظ ماخوذ ہے کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔

حلالہ کی دو قسمیں

غیر مشروط اور مشروط

پہلی قسم: جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کی ہے اور یہی ہمارا اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اور یہ بات خود حکیم صاحب کے مذہب میں مسلّم ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے ص ۲۶۴ سطر نمبر ۸ سے سطر نمبر ۱۴ تک یہ صورت بیان کی ہے اور آخر میں لکھتے ہیں جائز صورت ہے۔

دوسری قسم:

یعنی مشروط جو حکیم صاحب نے ص ۲۶۴ سطر نمبر ۱۵ سے ۲۰ تک بیان کی ہے اور وہ صرف اس کو حلالہ تصور کرتے ہیں۔

یہ حکیم صاحب کی بددیانتی ہے حالانکہ حلالہ کا لفظ عام ہے۔ پہلی صورت بھی حلالہ ہے اور دوسری صورت بھی حلالہ ہے مگر حکیم صاحب عوام کو دھوکہ دینے کے لئے صرف دوسری صورت ہی کو حلالہ فرما رہے ہیں اور اس مشروط حلالہ کو حنفی مذہب قرار دے رہے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے۔

حنفی مسلک ملاحظہ فرمائیں

اہل السنت والجماعت حنفی مسلک کے مستند عالم دین مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی دامت برکاتہم العالیہ بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے اپنی تفسیر معالم العرفان میں سورۃ بقرہ حصہ دوم کے ص ۴۰۳ پر ایک سرخی قائم کی ہے۔ ''مشروط نکاح'' اس کے بعد لکھتے ہیں۔

''اس وقت مروجہ حلالہ کی جو صورت ہے وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہے۔ یہ حلالہ مشروط نکاح کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ اب رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر دیا کہ وہ طلاق دیدے گا اور پھر پہلے خاوند سے نکاح ہو سکے گا اگرچہ اس طرح قانونی جواز تو پیدا ہو جاتا ہے مگر اس شرط کے تحت نکاح گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے حلالے پر لعنت کی گئی ہے۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ

حضور علیہ السلام نے فرمایا حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے کیا گیا دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

(۲) مشہور عالم دین حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی حنفی کا حوالہ آپ اپنی مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور حصہ چہارم باب تین طلاق دینے کا بیان ص ۵۶

مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۴:۔ اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کو اختیار ہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے اور یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے تو اگر اس نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے صحبت کر کے چھوڑ دیا یا مر گیا تو پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ (شامی ج ۲ ص ۸۸۹)

ناظرین کرام یہ ہے حنفی مسلک۔ حکیم صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ صحیح بات نقل کرے۔

ہم نے صرف دو حوالے دیئے ہیں اس پر ہم کافی حوالے پیش کر سکتے ہیں مگر انصاف کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔